مولانا مفتی محمد زاہد☆
ترجمہ: سید متین احمد شاہ☆☆

احادیثِ طاعون

ایک مطالعہ

یہ مضمون استاذِ گرامی مولانا محمد زاہد صاحب حفظہ اللہ کے ایک عربی مضمون کا ترجمہ ہے جو ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے مؤقر جریدے ''الدراسات الاسلامیۃ'' (جولائی۔ستمبر ۲۰۱۰ء/ رجب۔رمضان ۱۴۳۱ھ) میں چھپا تھا۔ مباحثِ حدیث کے محدّثانہ اسلوب کے علاوہ اس کی نمایاں خصوصیت مطالعۂ حدیث کا جدید علمی منہج ہے، جو نئے ذہن کے لئے قابلِ قبول اور حدیثِ نبوی ﷺ کے بارے میں شمعِ ایمانی کو مزید فروزاں کرتا ہے۔ قرآنیات کے حوالے سے تو اردو کا دامن اس پہلو سے کافی پر ثروت ہے لیکن حدیث کے سلسلے میں ایسی چیزیں بہت کم ہیں۔ مضمون کی اسی اہمّیت وافادیت کے پیشِ نظر اس کو اردو کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ آیاتِ قرآنی، صحاح ستّہ، مسند احمد اور مؤطا کی احادیث کے متن کے ترجمے میں Easy Quran-o-Hadith Software سے استفادہ (بعض مقامات پر جزوی ترامیم کے ساتھ) کیا گیا ہے۔ مترجم

قدیم دور میں طاعون ان امراض میں شمار ہوتا تھا جو بہت جلد پھیلتے اور دنوں، ہفتوں میں بڑے بڑے خطّوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے تھے۔ یہ مرض لوگوں کی صحت اور حیاتِ انسانی کے لئے ایک بڑا خطرہ سمجھا جاتا تھا، اس کے لاحق ہونے اور پھیلنے کے اسباب کے بارے میں شہروں اور متمدّن اقوام تک میں لاعلمی پائی جاتی تھی۔ اس فضا میں نبیِ اُمّی ﷺ نے کئی احادیث میں اس مرض کا ذکر فرمایا۔ ان احادیث میں جہاں بعض طبّی مسائل کے حوالے سے اسلامی نقطۂ نظر کی

☆ نائب مدیر و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

☆☆ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

عکاسی ہوتی ہے وہاں ان میں حدیث کے سائنسی اعجاز کے نمونے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اسی بات کے پیشِ نظر ضرورت محسوس ہوئی کہ طاعون سے متعلق احادیث کا مطالعہ کیا جائے۔ زیرِ نظر تحریر اسی مقصد کے تحت ایک عاجزانہ کاوش ہے۔

طاعون کا لغوی معنیٰ

طاعون ''فاعول'' کے وزن پر طَعَنَ یَطْعَنُ اور یَطْعُنُ سے مشتق ہے۔ ط ع ن کا مادّہ تیر سے مارنے اور زبان سے افترا پردازی کا معنیٰ دیتا ہے۔ چناں چہ کہتے ہیں: طَعَنَ فِی نَسَبِہ، فلاں نے کسی کے نسب پر زبان درازی کی۔ اسی طرح اس مادے میں ظاہر ہونے اور طلوع ہونے کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے۔ طاعون کا اطلاق وبا (وہ مرض جو کسی شہر یا خطۂ زمین میں پھیلتا ہے) پر ہوتا ہے، خواہ جو وبا بھی ہو۔ یہ اطلاق مجازی ہے، صحیح یہ ہے کہ طاعون ایک خاص وبائی مرض کا نام ہے۔ (ہم اس کی تعریف آگے ذکر کریں گے۔) چناں چہ ہر طاعون وبا ہے لیکن ہر وبا کو طاعون نہیں کہیں گے۔ اور جب یہ مادہ مرض کے لئے استعمال ہو تو مجہول کے صیغے پر آتا ہے، چناں چہ کہا جائے گا:

طُعِنَ فُلَانٌ وَ یُطْعَنُ فَھُوَ مَطْعُوْنٌ وَطَعِیْنٌ(۱)

طاعون کا اطلاق عمومی معنیٰ میں ہر وبا پر کرنا صرف عربی زبان کے ساتھ ہی خاص نہیں بل کہ مغربی مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ Plague کا لفظ بھی تمام خطرناک وباؤں کے لئے بولا جاتا تھا۔ (۲)

طاعون کا معنیٰ طبّ میں

قدیم اطبّا نے طاعون کی جو تعریف کی ہے، اس کا خلاصہ امام نوویؒ نے تہذیب الاسماء واللغات میں یوں بیان کیا ہے:

> یہ ایک پھوڑا اور نہایت تکلیف دہ ورم ہے جس کے ساتھ جلن بھی ہوتی ہے۔ اس کے اردگرد کی جلد سیاہ، سبز یا موتی کی مانند بنفشی سرخ ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ دل کی گھبراہٹ اور قے بھی ہوتی ہے۔ یہ پھوڑا عام طور پر، بغلوں، انگلیوں اور سارے بدن پر نمودار ہوتا ہے۔ (۳)

کی رُو سے طاعون ایک اسا متعد[illegible] [illegible] Yersinia Pestis نامی

ایک بیکٹریا سے پیدا ہوتا ہے اور اصلاً کتر کر کھانے والے حیوانات کو لاحق ہوتا ہے، جن میں اہم ترین چوہے ہیں۔ پھر ان سے پسوؤں کے ذریعے انسان میں منتقل ہوتا ہے۔

طبِ جدید کی رُو سے طاعون کی تین اقسام

۱۔غدودی یا گلٹی دار طاعون (Bubonic Plague): طاعون کی اس قسم میں بیکٹریا پسو کے کاٹنے کی جگہ سے سطحی غدودوں (جیسے سرین، بغلوں کے نیچے یا گردن میں پائے جانے والے غدود) کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

یہ غدود بڑھ جاتے ہیں اور متورم ہو کر پیپ سے بھر جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ مریض کو بخار، سردرد، متلی اور قے آنے لگتی ہے۔ طاعون کی یہ قسم سب سے زیادہ پھیلنے والی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا لکھتا ہے کہ طاعون لاحق ہونے کی تین چوتھائی صورتیں اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔(۵)

۲۔نمونیائی طاعون (Pneumonic Plague): اس قسم میں بیکٹریا پھیپھڑوں میں نفوذ کر جاتے ہیں۔ یہ قسم پہلی سے زیادہ مہلک ہے۔(۶)

۳۔سمیت زدہ یا عفونتی طاعون (Septicemic Plague): اس قسم میں Yersinia پسو کے کاٹنے کے مقام سے خون میں منتقل ہوتا ہے جس سے خون زہریلا ہو جاتا ہے۔ یہ زہریلا پن اس قدر شدید ہوتا ہے کہ مریض غدودیں بڑھنے یا دیگر علامات کے ظہور سے پہلے ہی مر جاتا ہے۔(۷)

طاعون تاریخی تناظر میں

انسان کی طاعون سے شناسائی کی تاریخ کم از کم تین ہزار سال پرانی ہے۔(۸) بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ ۲۲۴ سال قبلِ مسیح میں یہ مرض چین میں پھیلا تھا۔(۹) اسی طرح ۴۵۱ء میں یہ مرض قسطنطنیہ (اس وقت کی بازنطینی سلطنت کا دارالحکومت) میں پھیلا اور آئندہ سال کے موسمِ بہار تک باقی رہا۔ اس میں مرنے والے اشخاص کی تعداد دو لاکھ یا قسطنطنیہ کی آبادی کا چالیس فیصد تھی۔ اس وقت کی بازنطینی سلطنت کے شہنشاہ کے نام پر اس کا نام Justinian پڑ گیا۔(۱۰)

اسلامی تاریخ کے معروف طاعونوں میں ایک طاعون عمواس ہے، جو حضرت عمر بن خطاب

ؓ کی خلافت کے دوران میں ۱۷ھ یا ۱۸ھ میں پھیلا۔ یہ طاعون قدس اور رملہ کے درمیان عمواس نامی ایک بستی کی طرف منسوب ہے، کیوں کہ ابتدا میں یہ یہیں پھوٹا تھا۔ پھر یہ شام کے علاقوں میں پھیلا۔ اس میں تقریباً پچیس ہزار آدمی لقمۂ اجل بن گئے تھے، جن میں معاذ بن جبلؓ اور ابو عبیدہ بن جراحؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی تھے۔ (۱۱)

تاریخِ یورپ کے معروف طاعونوں میں ایک وہ ہے جو ۱۳۴۷ء سے ۱۳۵۱ء تک کے عرصے پر محیط رہا اس کو مرگِ سیاہ کہا جاتا ہے اور اس نے یورپ و ایشیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ بعض اعداد و شمار کے مطابق اس کا شکار ہونے والوں کی تعداد پچیس لاکھ ہے، جو اس وقت کے یورپ کے باسیوں کی تعداد کا چوتھائی بنتی ہے۔ (۱۲) انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مطابق اس طاعون کا شکار ہونے والوں کی تعداد کا صحیح اندازہ اہل یورپ کی تعداد کا تہائی معلوم ہوتا ہے۔

ہندوستان میں مغل شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں ۱۶۱۲ء میں ایک طاعون پھیلا تھا، جس کا آغاز آگرہ سے ہوا اور یہ وسطِ ہندوستان تک پھیل گیا تھا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ شہنشاہ جہانگیر نے اپنی خودنوشت توزک میں لکھا ہے کہ میں نے ایک طاعون زدہ چوہا دیکھا جسے ایک بلی نے دبوچ لیا، لیکن اس نے اس کو کھایا نہیں اور چھوڑ دیا۔ یہ چوہا فوراً مر گیا اور بلی کو بخار لاحق ہو گیا اور اس کی زبان سیاہ ہو گئی۔ لوگوں نے اس کو تریاق فاروقی نامی ایک دوا دی مگر وہ جان بر نہ ہو سکی اور دو یا تین دن بعد مر گئی۔ (۱۳) ہندوستان میں طاعون کی آخری وبا ۱۹۹۴م میں پھیلی تھی، جس کا آغاز سورت سے ہوا تھا۔

طاعون کے اسباب

لوگوں کا نسل در نسل اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ طاعون ایک متعدی مرض ہے اور زمانۂ قدیم سے لوگ اس کے مریض کے قریب آنے سے کتراتے تھے، چناں چہ بعض مفسرین نے قصۂ ابراہیمؑ کے سلسلے میں آیہ کریمہ:

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ○ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ○

آپ علیہ السلام نے ستاروں پر ایک نگاہ ڈالی اور کہا کہ میں بیمار ہوں۔

کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آپؑ نے طاعون زدہ ہونا ظاہر کیا تو لوگوں نے اس طاعون کے خوف سے آپ کو چھوڑ دیا۔ سلف میں ابن عباسؓ سے یہ تفسیر مروی ہے۔ (۱۴)

فلاڈلفیا کے ایک سائنسی ادارے سے شائع ہونے والے مجلّے Science Watch کا مدیر Christopher King آٹھویں صدی عیسوی میں سِسلی میں پھوٹنے والے ایک طاعون کے عینی شاہد کا بیان نقل کرتا ہے کہ بہت جلد ہی لوگ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے یہاں تک کہ اگر بیٹے کو یہ مرض لاحق ہو جاتا تو اس کا باپ اس کے قریب نہ پھٹکتا تھا۔ اسی طرح کی بات کرسٹوفر نے یورپ کے معروف طاعون مرگِ سیاہ کے بارے میں بھی کہی ہے۔ (۱۵)

لیکن یہ مرض لاحق کس طرح ہوتا ہے؟ اس کی وبا کیسے پھیلتی ہے اور کس طرح یہ ایک فرد سے دوسرے کو متعدی ہوتا ہے؟ انیسویں صدی کے اختتام سے کچھ پہلے تک ان سوالات کا جواب معلوم نہ تھا۔ چناں چہ بعض لوگ اس کو مرّیخ و مشتری کی تاثیرات سے وابستہ کرتے تھے، کسی کا کہنا تھا کہ اس کا سبب زلزلے اور دیگر قدرتی آفات ہیں، اکثر اطبا کا خیال تھا کہ یہ مرض ہوا کے آلودہ ہونے کے سبب سے ہوتا ہے، لیکن یہ کہ ہوا کیسے آلودہ ہوتی ہے اور کبھی صاف ہوا کے ہوتے ہوئے بھی یہ کس طرح پھیل جاتا ہے؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہ تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کی نوے کی دہائی میں سببِ طاعون کے متعلق زبردست تحقیق سامنے آئی جب سوئزرلینڈ کے ایک سائنسدان Alexander Yaresin نے دریافت کیا کہ اصل میں ایک بیکٹریا ہے جو اس خوف ناک مرض کا سبب بنتا ہے۔ Yaresin نے جب ہندوستان اور چین کا سفر کیا تو اس نے دیکھا کہ تمام مریضوں کے طاعونی غدودوں میں پائے جانے والے مواد میں سلاخ نما جراثیم پائے جاتے ہیں اور وہ کبھی مریض کے خون میں بھی ہوتے ہیں۔ اسی دور میں ایک جاپانی سائنس دان Shibasaburo Kitasato نے بھی اسی بیکٹریا کا سراغ لگالیا تھا، تاہم اس کے مقابلے میں Yaresin کو زیادہ شہرت اور پذیرائی ملی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ یورپی ہے اور وہ ایشیائی تھا۔ بہ ہر حال اسی بیکٹریا کا نام یرسینیا پیسٹس رکھا گیا۔

لیکن یہ بیکٹریا پھیلتا کیسے ہے؟ اور انسان کو کس طرح لاحق ہوتا ہے؟ یہ بات یرسین اور کیتاساتو کی تحقیق کے بعد بھی ایک راز ہی تھا جس کو یرسین کی دریافت کے چار سال بعد ایک فرانسیسی سائنس دان Paul Louis Simond نے بے نقاب کیا۔ یہ سائنسدان یرسینیا کے انسان میں منتقل ہونے کی کیفیت سے متعلق رائج نظریات کے بارے میں متردد تھا، کیوں کہ ان نظریات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ بیکٹریا انسان میں ہوا و غبار کا سانس لینے کے ذریعے منتقل ہوتا ہے۔

۱۸۹۸ء میں ہندوستان میں پھیلنے والی وبا میں طاعون کے مریضوں پر تحقیق کے دوران اس نے نوٹ کیا کہ مریض کے بدن پر ایک چھوٹا سا پھوڑا نمودار ہوتا ہے جو طاعون کے بیکٹر یا سے بھرا ہوتا ہے۔ اس نے یہ بھی نوٹ کیا کہ اصل میں یہ پھوڑے بعض اڑنے والے حشرات کے کاٹنے کی علامت ہیں۔Simond کی تحقیق اس بات پر منتج ہوئی کہ انسان کو یہ مرض لاحق ہونے کا اصل باعث پسو ہوتے ہیں اور یہ بیکٹر یا حقیقت میں کتر کھانے والے حیوانات خصوصاً چوہوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ اس بیکٹر یا کا سرکل یوں ہوتا ہے۔

کتر کھانے والے حیوانات...... پسو...... کتر کھانے والے حیوانات

مطلب یہ ہے کہ یہ پہلے کتر کھانے والے حیوانات کو لاحق ہوتا ہے، ان سے پسّوؤں میں منتقل ہوتا ہے اور ان سے پھر کتر کھانے والے حیوانات میں۔ کبھی دیگر ممالیہ جان دار (جن میں انسان بھی ہے) بھی اس سرکل میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان کو بیکٹر یا لاحق ہو جاتا ہے۔

انسانوں اور دیگر ممالیہ جانوروں میں یرسینیا بردار پسّوؤں کے منتقل ہونے کے اسباب میں چوہوں کی بہ کثرت موت (مارڈالنے، طاعون یا کسی اور سبب سے) بھی ہے۔ مُردہ چوہوں کے بدنوں میں موجود پسّو کسی دوسرے چوہے کو تلاش کرتے ہیں اور جب وہ ان کو نہیں ملتا تو وہ انسان یا دیگر ممالیہ جانوروں کا رخ کرتے ہیں جس کے باعث وہ ان کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی لئے بعض جدید اہلِ تحقیق نے طاعون زدہ چوہوں کو مارنے سے خبردار کیا ہے، چناں چہ بی بی سی ویب سائٹ پر نشر کردہ ایک تحقیق میں آیا ہے:

> طاعون لاحق ہونے کے حالات کی دریافت کے بعد محققین نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ چوہوں کو مارڈالنے سے ان کے طفیلی پسو کسی دوسرے میزبان کی تلاش میں نکلتے ہیں اور پھر آخر کار انسان کے طفیلی بن جاتے ہیں۔(۱۷)

یہ بات Bubonic Pleague سے متعلق ہے جو طاعونوں کی سب سے زیادہ پائی جانے والی قسم ہے، کیوں کہ اس کے ایک شخص سے دوسرے کو متعدی ہونے کا ہوا یا نظام تنفس سے کوئی تعلّق نہیں ہوتا۔ چناں چہ بعض اہلِ تحقیق نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ پسو ایک انسان سے دوسرے میں مرض کو منتقل نہیں کرتا بل کہ چوہے سے انسان میں منتقل کرتا ہے۔(۱۸)

اکثر احادیثِ نبویہ میں طاعون کی یہی نوع مراد ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے اس کی تعریف یوں فرمائی ہے:

غُدَّةٌ كَغُدَّةِ الْبَعِيرِ (۱۹)

وہ اونٹ کے غدود کی طرح کی ایک غدود ہوتی ہے۔

البتہ طاعون کی باقی دو اقسام میں مرض پسوؤں کے واسطہ کے بغیر متاثر آدمی سے تن درست آدمی کو لاحق ہوسکتا ہے۔ چناں چہ طاعون زدہ انسان کے سانس لینے سے خارج شدہ ہوا ان بیکٹر یا کے پھیلنے کا موجب ہوسکتی ہے۔ اسی طرح حلق اور منہ سے خارج ہونے والی رطوبات یا جلد اور جراثیم زدہ کسی چیز کو چھونے سے بھی بیکٹر یا منتقل ہوسکتا ہے نیز کھانے پینے کی اشیا کے ذریعے بھی۔ (۲۰)

طاعون کے متعلق احادیث میں سائنسی اعجاز کے مظاہر

جدید سائنسی انکشافات نے احادیثِ نبویہ کے بعض اعجازی پہلوؤں سے پردہ اٹھایا ہے، اس طرح علمِ جدید کی رسائی آج ان حقائق تک ہورہی ہے جن کی اطلاع چودہ صدیاں قبل نبی امی ﷺ نے دی تھی۔ ان احادیث کے احکام کے بیان سے قبل ہم یہاں پر کچھ احادیث کی طرف اشارہ کریں گے۔

۱۔ طاعون ایک عذاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بعض اقوام کو مبتلا کیا

نبی کریم ﷺ سے مروی متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون ایک عذابِ خداوندی ہے جس سے ہم سے پہلے بعض امتیں دوچار ہوئیں۔ چناں چہ بخاری اور دیگر محدثین نے حضرت سعدؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے درد (یعنی طاعون) کا ذکر کیا اور فرمایا:

رجز، أو عذاب، عذب به بعض الأمم، ثم بقي منه بقية، فيذهب المرة ويأتي الأخرى، فمن سمع به بأرض فلا يقدمن عليه، ومن كان بأرض وقع بها فلا يخرج فرارا منه

یہ ایک مصیبت یا عذاب ہے جس میں بعض امتوں کو مبتلا کیا گیا، پھر اس میں سے کچھ رہ گیا جو کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی آجاتا ہے۔ پس جو شخص کسی جگہ کے متعلق سنے (کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے) تو وہاں نہ جائے اور جو شخص کسی جگہ ہو اور وہاں وبا پھیل جائے تو وہاں سے بھاگ کر نہ جائے۔ (۲۱)

اسی طرح اکثر روایات میں کسی امت کے تعین کے بغیر آیا ہے، تاہم بعض روایات میں

خصوصیت سے بنی اسرائیل کا ذکر ملتا ہے۔ یہ احادیث بھی طرقِ متعددہ سے مروی ہیں ۔ ان احادیث کو ہم تین انواع میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

ا۔ پہلی قسم کی احادیث وہ ہیں جن میں بنی اسرائیل کا ذکر کسی دوسری امت کے ساتھ کلمہ تردید اَو کے ساتھ ہے، جیسا کہ بخاری نے سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کیا ہے کہ عامر بن سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کو اسامہ بن زیدؓ سے یہ دریافت کرتے ہوئے سنا کہ آپ نے طاعون سے متعلق نبی کریم ﷺ سے کیا سنا ہے؟ تو اسامہؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلطَّاعُوْنُ رِجْسٌ أرسل علیٰ طائفة من بنی اسرائیل أوْ علیٰ مَنْ کَانَ قَبْلُکُمْ (۲۲)

طاعون ایک عذاب ہے جسے بنی اسرائیل پر یا اُن لوگوں پر بھیجا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے۔

اس حدیث کو مسلم نے اسامہ بن زیدؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

قَالَ رسول الله صلی الله علیه وسلم ان هذاالطاعون رجز سلط علی من کان قبلکم أوعلی بنی اسرائیل (۲۳)

طاعون ایک عذاب ہے جس کو تم سے پہلے لوگوں یا بنی اسرائیل پر مسلط کیا گیا۔

مسلم ہی نے اس کو عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ عامر بن سعدؓ نے ان کو خبر دی :اَنَ رجلا سئل سعدبن أابی وقاص الخ ایک آدمی نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے پوچھا الخ۔ (۲۴) ابن جریر طبریؒ نے بھی اپنی تفسیر (۲۵) میں اس روایت کو ذکر کیا ہے۔

۲۔ دوسری قسم احادیث کی وہ ہے جن کے طرق میں صرف بنی اسرائیل کا ذکر آتا ہے۔ ان احادیث کو نسائی (۲۶) اور ترمذی (۲۷) نے اسامہ بن زیدؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے طاعون کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

بقیة رجز، أو عذاب أرسل علی طائفة من بنی إسرائیل

طاعون اُس مصیبت یا عذاب کی باقیات میں سے ہے جس کو بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر بھیجا گیا۔

۳۔ تیسری قسم کی احادیث وہ ہیں جن میں بنی اسرائیل کا کسی دوسری امت کے ساتھ ذکر کلمہ و کے ساتھ آیا ہے، جیسا کہ نسائی نے عامر بن سعدؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے والد

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے پوچھتے ہوئے سنا کہ تم نے طاعون سے متعلق رسول اللہ ﷺ کو کیا فرماتے ہوئے سنا تو اسامہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الطاعون رجز أرسل على طائفة من بنى اسرائيل وعلى من كان قبلكم (۲۸)

طاعون ایک عذاب ہے جس کو بنی اسرائیل کے ایک گروہ اور تم سے پہلے کسی اور قوم پر بھیجا گیا۔

ان احادیث اور دیگر مجموعۂ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون کا عذاب بنی اسرائیل اور دیگر امتوں پر بھی آیا ہے۔

حافظ ابنِ حجرؒ (۲۹) نے عذابِ طاعون میں مبتلا بنی اسرائیل کے مختلف گروہوں کی مثالیں ذکر کی ہیں۔ کتابِ مقدس میں بھی ان میں سے کچھ کا تذکرہ ملتا ہے، مثال کے طور پر عہدِ قدیم کے سِفر العدد کے گیارہویں باب میں آتا ہے:

گوشت ان کے دانتوں کے درمیان ہی تھا اور کٹنے نہ پایا تھا کہ لوگوں پر خداوند کا غصہ بھڑک اٹھا اور خداوند نے لوگوں کو بہت کاری ضرب لگائی۔

یہاں اس بات کی تصریح نہیں کہ لوگوں پر نزولِ غضب کا سبب کیا چیز بنی؟ لیکن یہی آیت انگریزی ترجمہ مطبوعہ BURNS & OATES LTO LONDON(۱۹۶۰م) میں ان الفاظ میں آتی ہے .

Thay had meat between their teeth yet....suddenly a grievous plague fell on them.

گوشت اُن کے دانتوں کے درمیان تھا...... کہ اچانک ان پر ایک الم ناک طاعون ٹوٹ پڑا۔

اور سفر ارمیا کے باب ۴۴، آیت ۱۳ میں آتا ہے:

میں سرزمینِ مصر کے باسیوں کو سزا دوں گا جیسا کہ میں نے یروشلم کو تلوار، بھوک اور وبا کے ذریعے سزا دی۔

فرعون اور آلِ فرعون کے طاعونی عذاب کی طرف اشارہ اللہ ربّ العزت کے اس فرمان میں ملتا ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ج لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○ (۲۹الف)

آخر ہم نے ان پر طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون کتنی کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے، اور وہ لوگ تھے ہی گناہ گار۔ اور جب اُن پر عذاب واقع ہوتا تو کہتے کہ موسیٰ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کرو جیسا اس نے تم سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر تم ہم سے عذاب ٹال دو گے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ جانے (کی اجازت) دے دیں گے۔

ان آیات میں بعض مفسرین نے رجز کی تفسیر عذاب سے اور بعض نے طاعون سے کی ہے۔ طبری نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم بنی اسرائیل کے پاس پانچ نشانیاں (طوفان اور دیگر امور جو ان آیات میں بیان ہوئے ہیں) لے کر آئے لیکن وہ لوگ ایمان نہ لائے اور نہ بنی اسرائیل ہی کو آپ کے ساتھ بھیجا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص ایک مینڈھا ذبح کرے، پھر اپنی ہتھیلی کو اس کے خون سے رنگین کرے اور اس کو اپنے دروازے پر مارے تو قبطیوں نے بنی اسرائیل سے کہا: تم اپنے دروازوں پر یہ خون کس لئے لگاتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب بھیجے گا جس سے ہم تو بچ جائیں گے مگر تم ہلاک ہو جاؤ گے، تو قبطی بولے: اللہ تمہاری شناخت ان ہی علامتوں کے ذریعے کرے گا۔ تو بنی اسرائیل نے کہا: ہمارے نبی نے ہم کو ایسے ہی حکم دیا ہے چناں چہ ان لوگوں نے اس حال میں صبح کی کہ قوم فرعون کے ستر ہزار آدمی طاعون زدہ ہو چکے تھے اور ایک دوسرے سے چھپ نہیں سکتے تھے۔ اس پر فرعون نے کہا: تیرے رب نے جو تجھ سے وعدہ کیا ہے اس کی بابت اپنے رب سے سوال کر کہ اگر تم ہم سے عذاب یعنی طاعون کو دور کر دے تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئیں گے۔ اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیج دیں گے، چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ نے ان سے عذاب کو ہٹا دیا اس پر فرعون نے ان سب کو آپؑ کے سپرد کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: تو جہاں چاہے بنی اسرائیل کو لے جا۔'' (۳۰) حافظ

ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں: یہ مرسل اور جیّد الاسناد حدیث ہے۔(۳۱) طبری نے اس کے بعد حضرت ابنِ عباسؓ کی طرف منسوب ایک اور روایت ذکر کی ہے۔ اس کی طرف سفر الخروج کے بارہویں باب میں بھی اشارہ آیا ہے لیکن اس میں طاعون کی تصریح نہیں ہے۔ ان آیات و آثار کے ذکر سے یہاں ہمارا مقصود ان آثار کے اعجازِ غیبی کو بیان کرنا ہے جس کو بعض جدید تحقیقات نے نمایاں کیا ہے۔ انٹرنیٹ کی ویب سائٹ ''موسوعۃ الاعجاز العلمی فی القرآن والسنۃ'' کا بیان ہے:(۳۲)

''قرآن کریم نے ۱۴۰۰ سال پہلے مصر میں آنے والی آفات و مصائب کی قدرے تفصیل کے ساتھ خبر دی ہے جن کا تعلق انسانی تاریخ کے عہدِ وسطیٰ سے ہے۔ نیز ان آفات کے اسباب کی نشان دہی بھی کی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت فرعونی تہذیب ایک داستانِ پارینہ بن کر مصر کی وادیٔ شاہاں کے جلو میں ریگِ صحرا کی پہنائیوں میں مدفون ہو چکی تھی۔ قریش کو بل کہ خود اہلِ مصر کو بھی اس کی کچھ خبر نہ تھی اور نہ انہیں اس کی تفاصیل ہی کا کچھ پتا تھا۔ بعض اساطیر، غلط آمیز خبروں اور تورات کے بعض مخفی اشارات (جن میں سے اکثر میں تاریخی اغلاط کی بھرمار ہے) کے علاوہ ان لوگوں کو اس کی تفصیلات کا کوئی علم نہ تھا۔ تہذیبِ فرعونی کے اسرار کا انسانیت کو اٹھارویں صدی کے آغاز میں جا کر کہیں سراغ ملا جب نپولین کی سرکردگی میں مصر پر فرانسیسی حملہ ہوا۔ اس کے ساتھ علم الآثار کا ماہر عالم شمپولیوں (Jean Franco Champollion) بھی تھا، جس نے روزیتالوح (۳۲۔الف) دریافت کی، جس کی بدولت کتابتِ عہدِ فرعونی کے اسرار کا پتا چل سکا۔

جہاں تک مصر میں آنے والی آفات و مصائب کا تعلق ہے تو ان کا پتا ۱۹۰۹ء ہی میں علم ہو سکا جب علمائے آثار کو پپائرس درخت کے بنے ہوئے کاغذ والی ایک کتاب کا علم ہوا جس میں دربارِ فرعونی کے کسی آدمی نے عہدِ وسطیٰ میں مصر پر ٹوٹنے والی آفات کے بارے میں تحریر کیا ہوا تھا۔ یہ قیمتی مخطوطہ لیڈن (ہالینڈ) کے عجائب گھر میں محفوظ ہے اور مصر کی قدیم تاریخ کے ماہر محقق A.H Gardiner نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ ویب سائٹ پر اس کی عربی میں ترجمہ شدہ بعض عبارات موجود ہیں جن میں یہ بھی ہیں:

زمین کے ہر خطے میں وبا اور ہر جگہ پر خون ہے۔

دریا مانند خون ہے۔

رنج والم اور خوف ناک چیخ پکار کا ساری زمین پر راج ہے۔ محل سے نکلنا موقوف ہو چکا ہے اور نو دن سے کوئی آدمی اپنے ساتھی کے چہرہ کو نہیں دیکھ سکا ہے۔ شہر حتمی لہر

کی لپیٹ سے تباہ ہو چکے ہیں اور مصر کو بربادی کا سامنا ہے۔ ہر جگہ خون ہے اور شہروں کے تمام اطراف واکناف میں طاعون پھوٹ پڑا ہے۔'

۲۔طاعون جنات کی نیش زنی ہے

طاعون کے اسباب میں نبی کریم ﷺ نے یہ بات ذکر فرمائی ہے کہ وہ تمہارے دشمن جنات کا نیش ہے۔ چناں چہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

فَنَاءُ أُمَّتِي بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُونِ فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَذَا الطَّعْنُ قَدْعَرَفْنَاهُ، فَمَا الطَّاعُونُ؟ قَالَ :وَخزُ أَعْدَائِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَفِي كُلٍّ شُهَدَاءُ(۳۳)

میری امت کی ہلاکت تیراندازی اور طاعون میں ہے۔ پوچھا گیا یارسول اللہ! تیراندازی کا تو ہمیں پتا ہے لیکن طاعون کیا ہے؟ فرمایا: یہ تمہارے دشمن جنات کا ڈنگ ہے اور ہرایک میں شہدا ہوں گے۔

اس حدیث کو مسند احمد میں روایت کیا گیا ہے، سند یوں ہے:

عن عبدالرحمن قال حدثنا سفيان عن زياد بن علاقة عن رجل عن ابى موسىٰ ......

حافظؒ فرماتے ہیں کہ حدیثِ ابوموسیٰؓ کے تین طرق ہیں، ایک یہی جو ذکر ہوا۔ اس میں وہ آدمی مبہم ہے جس سے زیاد بن علاقہ نے روایت کیا ہے۔ اس طریق کو حافظؒ نے فتح الباری میں بزار اور طبرانی کی جانب منسوب کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان حضرات نے اس آدمی کا نام یزید بن حارث بتلایا ہے۔ چند سطور کے بعد فرماتے ہیں: ''مبہم آدمی کے علاوہ اس روایت کے باقی سب راوی صحیحین کے ہیں۔ اسامہ بن شریک مشہور صحابی ہیں، اور جن حضرات نے مبہم شخص کا نام بتایا ہے (کہ وہ رجالِ مسلم میں سے ابوبکر نہشلی ہیں) تو اس اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے اور ابن خزیمہ اور حاکم نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔''(۳۴) دوسرا طریق وہ ہے جس کو احمد اور طبرانی نے ابی بکر بن ابی موسیٰ سے روایت کیا ہے۔ اس کا معنی بھی یہی ہے۔ حافظؒ فرماتے ہیں: ''ابوبلج کے علاوہ اس کے رجال، صحیح کے رجال ہیں۔ ابوبلج کا نام یحییٰ ہے، ابن معین، نسائی اور ایک جماعت نے اس کو ثقہ کہا ہے، جب کہ تشیع کی وجہ سے ایک جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، تاہم یہ بات جمہور

کے نزدیک اس کی روایت کے قبول کرنے میں مانع نہیں۔'' (۳۵)

اس کے بعد حافظؒ فرماتے ہیں: ''اس حدیث کا ایک تیسرا طریق بھی ہے جس کو طبرانی نے نقل کیا ہے: **عن عبداللہ بن المختار عن کریم بن الحارث بن ابی موسیٰ عن ابیہ عن جدّہٖ** ۔ کریب اور اس کے والد کے علاوہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور کریب کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔'' (۳۶) ابوموسیٰ کی حدیث کے شواہد بھی ہیں۔ ایک شاہد وہ ہے جس کو ابویعلیٰ نے عبدالاعلیٰ سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے معتمر بن سلیمان نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے لیث کو اپنے ایک ساتھی سے بیان کرتے ہوئے سنا جس نے عطا سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ طاعون کا ذکر کیا گیا تو مجھے یاد ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایک ڈنگ ہے جو میری امت کو ان کے دشمن جنات کی طرف سے لاحق ہوگا، اور وہ اونٹ کی گلٹی جیسی ایک گلٹی ہے جو اس میں صبر کرے تو جہاد میں سرحدوں کے پہرے دار کی مانند ہوگا اور جو اس میں مبتلا ہوا (اور مرگیا) تو شہید ہوگا اور جس نے اس سے فرار اختیار کیا تو گویا وہ میدانِ جہاد سے بھاگا۔'' (۳۷)

حافظؒ فرماتے ہیں کہ لیث اور اس کے شیخ کی وجہ سے اس کی اسناد نہایت کم زور ہے۔ (۳۸) دوسرا شاہد ابن عمرؓ کی حدیث ہے جس کو ہیثمی نے ذکر کیا ہے۔ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> **فناء امتی فی الطعن والطاعون قلنا قدعرفنا الطعن فما الطاعون قال وخز أعدائکم من الجن وفی کل شھادۃ** (۳۹)
>
> میری امت کی ہلاکت تیراندازی اور طاعون میں ہے۔ ہم نے کہا تیراندازی کا تو ہمیں پتا ہے۔ لیکن طاعون کیا ہے؟ فرمایا: وہ تمہارے دشمن جنات کا کچوکا ہے اور ہر ایک میں شہادت ہے۔

ہیثمیؒ فرماتے ہیں: ''اس حدیث کو طبرانی نے معجم صغیر اور معجم اوسط میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں عبداللہ بن عصمہ النصیبی ہے جس کے بارے میں ابنِ عدی کہتے ہیں: لہٗ مناکیر (اس کی منکر روایات ہیں۔) جب کہ ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ حافظؒ کہتے ہیں کہ ابنِ عمرؓ کی حدیث، عائشہؓ کی حدیث سے ضعیف ہے۔ اس باب میں عمدہ روایت حدیثِ ابوموسیٰؓ ہے، کیوں کہ تعددِ طُرُق کی وجہ سے اس کی صحت کا حکم لگایا جائے گا۔'' (۴۰) وخز سے مراد وہ ڈنگ ہے جو آر

پار نہ ہو جائے۔اس مادہ میں کمی والا معنی بھی پایا جاتا ہے۔فیروز آبادی کہتے ہیں: "وخز (وعد کی طرح) تیر یا کسی اور چیز کے نیش کو کہا جاتا ہے جو آر پار نہ ہو، اسی طرح ہر چیز کے تھوڑے اور قلیل کو بھی وخز کہتے ہیں۔"(۴۱) ابنِ منظور لکھتے ہیں: "وخز کھجور کے پھل دار درخت کی معمولی ہریالی، سر کی معمولی سفیدی،......اور کہا گیا ہے کہ ہر تھوڑی چیز وخز ہوتی ہے، کہتے ہیں: یہ بنو تمیم کی سرزمین ہے اور اس میں تھوڑے سے بنی عامر (وخز من بنی عامر) ہیں۔"(۴۲)

حدیث میں مذکور طاعون کا سبب اطبا کے نقطۂ نظر کے خلاف ہے کہ اس کا سبب فسادِ ہوا یا بعض رطوبتوں اور فشارِ خون کے غلبہ کی وجہ سے مزاج کا فساد ہے۔چناں چہ بعض شارحینِ حدیث نے حدیث اور اطبا کے قول میں تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ مزاج یا ہوا کے فساد کا سبب جنات کا خفیہ کچوکا ہو۔حافظؒ نے کلاباذی سے نقل کیا ہے: "اس بات کا احتمال ہے کہ طاعون کی دو قسمیں ہوں؛ ایک قسم وہ ہے جو خون، صفرا اور دیگر رطوبتوں کے غلبہ کے باعث پیدا ہو اور اس میں جنات وغیرہ کا دخل نہ ہو۔اور دوسری قسم کا سبب جنات کا کچوکا ہو جیسے بدن میں ان پھوڑوں کی وجہ سے زخم ہو جاتے ہیں جو بعض رطوبتوں کے غلبے سے نکل آتے ہیں اگر چہ کوئی نیش نہیں لگا ہوتا اور زخم انسانی ضرب سے بھی لگ جاتے ہیں۔"(۴۳)

بعض شارحین نے اطبا کی باتوں سے مرعوب ہونے کے بہ جائے ان کا علمی اور تجرباتی نقد کیا ہے۔حافظؒ فرماتے ہیں: "جنات کے کچوکا لگانے سے طاعون لاحق ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ عموماً معتدل موسم اور ان شہروں میں بھی ہو جاتا ہے جن کی ہوا صحیح اور پانی پاکیزہ ہوتا ہے۔نیز اگر وہ ہوا کے فساد کی وجہ سے ہوتا تو زمین پر ہمیشہ رہتا کیوں کہ ہوا تو کبھی صحیح ہوتی ہے اور کبھی فاسد، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ طاعون کبھی پھوٹ پڑتا ہے۔اور کبھی چلا جاتا ہے جس کا کوئی اندازہ یا تجربہ نہیں ہے۔چناں چہ کبھی تو ایسے ہوتا ہے کہ سال ہا سال آتا ہی رہتا ہے اور کبھی کئی سالوں تک نہیں آتا۔اگر اطبا کی بات مان لی جائے تو پھر ضروری ہے کہ یہ انسان و حیوان سب کو لاحق ہو، حال آں کہ مشاہدے سے معلوم ہے کہ بہت سے لوگوں کو لاحق ہو جاتا ہے اور ان کے بہت سے ہم نشیں اور ہم مزاج لوگوں کو لاحق نہیں ہوتا۔اس کے علاوہ اگر یہ بات درست ہوتی تو یہ مرض سارے بدن کو لگنا چاہئے، حال آں یہ بدن کی کسی خاص جگہ پر ظاہر ہوتا ہے اور اس سے تجاوز نہیں کرتا۔یہ بات بھی ہے کہ فسادِ ہوا کی وجہ سے رطوبات میں تغیر اور بیماریوں میں اضافہ ہونا چاہئے اور اس چیز سے عموماً بلا مرض موت آ جاتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ طاعون جنات کے کچوکا

لگانے سے لاحق ہوتا ہے جیسا کہ اس کے متعلق احادیث سے ثابت ہے۔''(۴۴)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ اکثر حالات میں طاعون کا فسادِ ہوا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، نیز وہ انسان کے اندر سے پیدا نہیں ہوتا، بل کہ بدنِ انسانی کے کسی خاص حصے پر باہر سے کسی چیز کے عمل دخل سے لاحق ہوتا ہے۔ اسی خارجی عامل کو حدیث میں وخز (نیش زنی، کچوکا، ضرب) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تجربات اور جدید سائنسی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کی روشنی میں حافظ ابنِ حجرؒ کا نقطۂ نظر ہی درست ہے، نہ کہ ان حضرات کا جنھوں نے حدیث کو اس وقت کے رائج طبی نظریات کے تابع بنانے کی کوشش کی ہے۔ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ طاعون کی سب سے زیادہ پائی جانے والی قسم طاعونِ غددوی ہے جو انسان کو بیکٹر یا بردار پسّو کے کاٹنے سے لاحق ہوتا ہے اور ابھی جو ہم نے وخــــز کا معنی نقل کیا ہے وہ پسو کے اس کاٹنے پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ رہی یہ بات کہ حدیث سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ طاعون جنات کے کچوکے سے لگتا ہے جب کہ تجربے سے یہ ثابت ہے کہ یہ پسّو کے کاٹنے سے ہوتا ہے تو اس کا جواب بعض معاصر اہل علم نے یہ دیا ہے کہ حدیث میں جن سے پسو مراد ہے، کیوں کہ جن اجتنــان سے ماخوذ ہے اور جس کے معنی چھپ جانے کے ہیں اور پسو پر جن کا اطلاق اس کے چھوٹے اور چھپ جانے والا ہونے کی بنا پر کیا گیا۔ (۴۵) لیکن حدیث کو اس کے ظاہر سے پھیرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ پسوؤں کو انسان کو کاٹنے پر اکسانے والے (اگر چہ بعض اوقات ہی سہی) شیاطین جن ہی ہوں۔

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے رات کو آگ بجھانے کی علت بیان فرمائی ہے کہ شیطان چوہے کو گھر جلا ڈالنے پر اکساتا ہے۔ چناں چہ ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک چوہا آیا اور چراغ کی بتی کو کھینچنے لگا اور اس کو لا کر رسول اللہ ﷺ کے آگے ایک غالیچے پر ڈال دیا جس پر آپ ﷺ تشریف فرما تھے۔ ایک درہم کے بہ قدر جگہ جل گئی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

اذانـمتـم فـأطـفـئـوا سـرجـكـم فان الشيطان يدل مثل هذه على هذا فتحرقكم (۴۶)

جب تم سونے لگو تو اپنے چراغوں کو گل کر دیا کرو کیوں کہ شیطان اس جیسوں کو ایسے کاموں کی رہ نمائی کرتا ہے نتیجتاً یہ تم کو جلا دیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح جلانا کسی امرِ طبعی کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور شیطان کے چوہے کو اکساتے کے ذریعے بھی، اسی طرح پسو کا انسان کو کاٹنا بھی امرِ طبعی اور شیطانی عمل دخل کے ذریعے بھی ممکن ہے۔

حاصل یہ ہے کہ طاعون کا سبب دو چیزیں ہیں: حسّی اور معنوی، امرِ حسّی یہ ہے کہ جدید سائنسی تجربات سے ثابت ہوا کہ اس کا تعلق کاٹنے سے ہے اور اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے تیرہ صدیاں قبل بیان کر دیا تھا جب کہ طب کی یہاں تک رسائی نہ ہوئی تھی۔ حسّی پہلو کا تعلق میڈیکل اور دیگر تجربی علوم سے ہے۔ رہا معنوی پہلو تو اس کا مدار سراسر وحی پر ہے اور نبی کریم ﷺ نے وضاحت فرمادی ہے کہ اس کا تعلق جنات کے ساتھ ہے اور اس میں تجربے سے ثابت شدہ بات (یعنی یہ کہ طاعون پسو کے کاٹنے سے ہوتا ہے) کی مخالفت لازم نہیں آتی، لہٰذا اس کی نفی یا اس میں تاویل کی ضرورت نہیں۔ خاص طور پر جب کہ طبی پہلو سے بھی حدیث کی تائید نکلتی ہو تو معنوی پہلو زیادہ قابلِ اعتماد ہوگا۔

۳۔ طاعون موجود رہے گا

نبی کریم ﷺ نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ کسی وقت انسان کو طاعون کا لاحق نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ طاعون موجود ہی نہیں ہے۔ بل کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ موجود ہوتا ہے، اگرچہ انسان کی حسّی آنکھ سے اوجھل رہتا ہے، اور یہ کہ آج جو لوگ اس میں مبتلا ہوتے ہیں تو اصل میں یہ اُسی ابتلا کا تسلسل ہے جس سے پچھلی امتیں دوچار ہوتی تھیں۔ چناں چہ بخاری کی ایک روایت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

رجز أو عذاب، عُذّب به بعض الأمم ثم بقي منه بقية فيذهب المرة ويأتي الأخرىٰ(۴۷)

یہ ایک مصیبت یا عذاب ہے جس میں بعض امتوں کو مبتلا کیا گیا، پھر اس میں سے کچھ باقی رہا چناں چہ یہ کبھی آتا ہے اور کبھی چلا جاتا ہے۔

اور جب نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی تو کسی (حتی کہ اطبا) کو بھی اس بات کی کوئی خبر نہ تھی کہ طاعون کا کوئی مستقل وجود بھی ہے، اور وہ دائماً موجود رہتا ہے، یہاں تک کہ الیگزینڈر ریرسن نے طاعون کا بیکٹر یا دریافت کرلیا اس دریافت نے دیگر سائنسی انکشافات کے

لئے نیا باب وا کیا۔ یہ انکشافات نبی کریم ﷺ کے بیان کی صحت کی تصدیق کرتے ہیں۔

کرسٹوفر انسائیکلو پیڈیا انکارٹا میں شامل اپنے مقالہ میں لکھتا ہے کہ مغرب اور جنوب مغرب ریاست ہائے متحدہ میں لوگوں کو طاعون لاحق ہونے کے احوال پائے جاتے ہیں، نیز وہ کہتا ہے کہ ۱۹۹۵ء میں طاعون لاحق ہونے کی سات کیفیات موجود تھیں۔

بعض سائنسی مصادر کے حوالے سے جزیرہ ویب سائٹ کا کہنا ہے:

دنیا میں طاعون میں مبتلا ہونے والے افراد کا سالانہ تناسب ۱۰۰۰ سے ۳۰۰۰ ہے۔(۴۸)

بی بی سی ویب سائٹ کا بیان ہے:

دنیا میں ۲۵۰۰ کے قریب افراد طاعون میں مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن ان کا مبتلائے مرض ہونا فطری شکل میں ہوتا ہے۔(۴۹)

ہیئۃ الاعجاز العلمی فی القرآن والسنۃ (مکہ مکرمہ) کے ساتھ ایک گفت گو میں کوپن ہیگن کے سرکاری ہسپتال کے ماہر ڈاکٹر جون لارسن نے بتایا کہ متعدد وبائی امراض پر تحقیق کے دوران مجھے خنزیز کے گوشت میں ایک نئے جرثومے کا علم ہوا، اور اس کا تعلق یارسینیا کے جراثیمی گروپ سے ہے۔لارسن کہتے ہیں:

یہ جرثومہ ہمارے ماحول میں موجود رہتا ہے لیکن ابھی تک اس کا پتا نہ چل سکا کہ اس کے ذریعے مرض متعدی کیسے ہوتا ہے؟(۵۰)

بی بی سی ویب سائٹ کا کہنا ہے کہ برطانوی سائنس دان طاعون کے انجکشن کو ترقی دینے میں کام یاب ہو گئے ہیں، اس دریافت کی اہمیت کو بتاتے ہوئے ویب سائٹ کا بیان ہے:

معالج بورٹن ڈاؤن کا کہنا ہے:

یہ مرحلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے، کیوں کہ اس میں ہم نے انجکشن سیفٹی کو یقینی بنانے کے لئے کام یاب اقدام کیا ہے، اب ہم نے وسیع پیمانے پر اس انجکشن کا استعمال کر سکیں گے۔

نیز وہ کہتا ہے کہ اینٹی پلیگ انجکشن کی تیاری موجودہ دور میں بہت اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ کیوں کہ دہشت گرد تنظیمیں کیمیکل اور بائیولوجیکل اسلحہ جیسی غیر روایتی چیزوں کے استعمال کی کوشش کر سکتی ہیں۔ پروفیسر نے اس بات سے خبردار کیا کہ کوئی دہشت گرد، جو بائیولوجی میں ماہرانہ

قدرت رکھتا ہو، وہ طاعونی جراثیم کے استعمال سے اسلحہ سازی کرسکتا ہے۔اور طاعون ان بڑے حیاتیاتی خطروں میں سے ایک ہے جو دہشت گردی کے کام آسکتے ہیں، اس لئے اس سے بچاؤ کا اہتمام ضروری ہے۔(۵۱)

یہ تمام تحقیقات یہ واضح کرتی ہیں کہ طاعون دنیا میں، وبا پھیلنے کے وقت میں بھی موجود رہتا ہے۔اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے چودہ صدیاں قبل اپنے اس ارشاد میں بیان فرمادیا تھا:

وقدبقيت منه بقية فيذهب المرة ويأتي الأخرى

طاعون سے کچھ باقی رہ گیا، چناں چہ وہ کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی آجاتا ہے۔

۴۔جبری پابندی: علم جدید اور حدیثِ نبوی کے تناظر میں

الهيئة العالمية للاعجاز العلمی فی القرآن والسنة نامی ویب سائٹ نے ڈاکٹر لارسن جون کے ساتھ جو کوپن ہیگن کے سرکاری ہسپتال کے ایک بڑے ڈاکٹر ہیں ایک گفت گو نشر کی ہے۔اس میں ہے(۵۲):

ہیئۃ الاعجاز: ڈاکٹر صاحب! آپ کسی شہر کے حاکم ہوں اور وہ کسی خطرناک وبائی مرض یا طاعون کا شکار ہو جائے تو آپ کیا کریں گے؟

ڈاکٹر جون لارسن: میں فوج کے ذریعے شہر کے اندر آنے یا وہاں سے باہر جانے پر پابندی لگوادوں گا۔

ہیئۃ الاعجاز: شہر میں داخل ہونے سے روکنے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے، لیکن وہاں سے باہر جانے سے آپ کیوں منع کریں گے؟

جون لارسن: سائنس کی حالیہ تحقیقات سے یہ انکشاف ہوا ہے کہ جب طاعون کسی شہر یا خطے میں پھیلتا ہے تو جن لوگوں پر اس کی علامت ظاہر ہوتی ہیں ان کا تناسب ۱۰ سے ۳۰ فیصد ہوتا ہے۔

ہیئۃ الاعجاز: شہر کے باقی لوگوں کی کیا کیفیت ہوگی؟

ڈاکٹر لارسن: ان لوگوں کے جسم میں بیکٹر یا ہوتا ہے لیکن ان کی قوتِ مدافعت، جراثیموں پر قابو پالیتی ہے، جس کے نتیجے میں یہ جراثیم جسم میں باقی رہتے ہوئے بھی نقصان نہیں دیتے، جب یہ تندرست آدمی طاعون زدہ شہر کے اندر ہی رہے گا تو اس

کے بارے میں کوئی اندیشہ نہیں ہے، کیوں کہ اس کے بدن میں ٹیکا کاری (۵۲۔الف) ہوئی ہوتی ہے، نیز قوتِ مدافعت کی وجہ سے مرض اس سے دور رہتا ہے، لیکن جب یہ آدمی اس شہر یا علاقے سے نکلے گا تو اس جرثومے کو ساتھ لے کر نکلے گا اور دوسرے شہر میں بھی یہ منتقل ہو جائے گا، اس طرح طاعون زدہ لوگوں سے نکلنے والا یہ جرثومہ بردار شخص لاکھوں لوگوں کی ہلاکت کا سبب سکتا ہے۔

ڈاکٹر لارسن نے جس اقدام کا ذکر کیا ہے اس کو اصطلاح میں الحجر الصحی (Quarantine) (جبری پابندی- قرنطینہ) کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شہر یا جگہ کی چیزوں یا لوگوں کے بارے میں یہ گمان ہو کہ ان میں کوئی متعدی مرض (خصوصاً طاعون) پایا جاتا ہے تو وہاں داخلے کی قانونی بندش کر دینا۔ سب سے پہلے یہ قانون چودھویں عیسوی میں بندقیہ میں نافذ کیا گیا، اس کی وجہ سمندری تجارت کا پھیلاؤ تھا۔ یہ بات نوٹ کی گئی کہ بعض علاقوں سے آنے والے بحری جہاز طاعون پھیلنے کا سبب بن رہے ہیں تو ان کو اور دیگر کشتیوں کو بندرگاہ سے ہٹانے کا قانون عمل میں لایا گیا، اور اس کو اتنی مدت کے لئے نافذ کیا گیا، جس میں یہ یقین ہو جائے کہ بعض افراد یا اشیا میں موجود آثارِ مرض مٹ گئے یا کم زور پڑ گئے ہیں۔

ابتداً یہ مدت تین دن اور پھر چالیس روز رکھی گئی اور اس کے جواز کی دلیل یہ بتلائی گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اتنی مدت خلوت نشینی میں گزاری ہے۔ (۵۳) وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دیگر ممالک نے بھی اس طرح کے اقدامات کئے اور یورپی ممالک نے صدیوں تک بندقیہ کے تجربے کو اپنایا شروع میں تو یہ قانون طاعون کی روک تھام کے لئے لاگو کیا گیا، لیکن بعد میں، امریکا کے ساتھ تجارتی ترقی کی وجہ سے، دیگر امراض مثلاً ہیضہ اور زرد بخار کے لئے بھی اس کو نافذ کیا گیا۔ (۵۴)

بعض ممالک کو مذکورہ قانون سے اتفاق نہ تھا، چناں چہ انیسویں صدی (۱۸۵۱ء) میں پیرس میں اس حوالے سے ایک عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں ایک طرف تو اس طرح کے قوانین سے فائدہ حاصل کرنے والے اور تجارتی نقصان اٹھانے والے ممالک کے درمیان ان کی ضرورت اور عدم ضرورت پر گفت گو ہوئی تو دوسری طرف افراد کے ذریعے متعدی ہونے کے قائلین (Contagionists) اور فسادِ ہوا کے ذریعے انتشارِ مرض کے قائلین (Miasmatists) میں بھی بحث ہوئی، اس گفت گو سے اگرچہ جبری پابندی کا قانون ختم تو نہیں ہوا لیکن کانفرنس نے

اس قانون کے لئے کچھ معیارات وضع کرنے کا عندیہ دیا، تاہم بہت سے ممالک نے سرکاری طور پر کانفرنس کے فیصلوں سے اتفاق نہیں کیا۔ (۵۵)

بعد میں متعدی امراض کے پھیلاؤ کے اسباب کی مزید پہچان ہونے پر اس قانون کے استعمال میں تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ چناں چہ جدید تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی کہ ہر مرض کے پھیلنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ دوسرے شخص کے ذریعے ہی منتقل ہو، بل کہ اس سبب کے علاوہ اس کے اور اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا، بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

> طاعون میں یہ بات ضروری ہے کہ مریض کو دوسرے افراد سے الگ رکھا جائے لیکن یہ بات اس مرض کے لاحق ہونے کے اصل اور بڑے سبب کے لئے کچھ مفید نہیں ۔مقالہ نگار مزید لکھتا ہے کہ جبری پابندی کا قانون اپنی تبدیل شدہ صورت میں ابھی تک بعض حالات میں نافذ کیا جاتا ہے۔ (۵۶)

شاید اس کی جدید ترین مثال اس قانون کا وہ نفاذ ہے جو گذشتہ صدی کی نوے کی دہائی میں ہندوستان میں پھیلنے والے طاعون کے دوران روبہ عمل لایا گیا۔

بہ ہر حال انسانیت تو وسیع شکل میں اس قسم کی پابندی عائد کرنے کی ضرورت پر متنبہ نہ ہو سکی لیکن نبی امی ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو طاعون زدہ شہر میں جانے یا اس سے نکلنے سے منع فرما دیا تھا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے:

> فمن سمع به بأرض فلايقدمن عليه ومن كان بأرض وقع بها فلايخرج فراراً منه (۵۷)
>
> جس کے سننے میں آئے کہ کسی سرزمین پر طاعون پھوٹ پڑا ہے تو وہاں ہرگز نہ جائے اور اگر وہ خود اس کی سرزمین پر پھوٹ پڑے تو فرار اختیار نہ کرے۔

اس حدیث کی تشریح تو ہم ذرا بعد میں کریں گے لیکن اہم بات یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس پر صدیوں پہلے متنبہ فرما دیا تھا۔

جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ (کسی مرض کا) ایک وقفۂ حضانت ہوتا ہے۔ یہ امراض کے ظاہر ہونے سے پہلے کی مدت ہوتی ہے جس میں بیکٹریا جسم میں داخل ہوتا ہے اور اس کی افزائش و اضافے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس مدت میں آدمی کو کسی مرض سے دوچار ہونے کا احساس نہیں ہوتا، لیکن ایک وقت کے بعد، جو مرض اور بیکٹریا کی نوعیت کے لحاظ سے لمبا اور مختصر

ہوسکتا ہے، مریض پر بدن میں چھپی ہوئی مرض کی علامات کا ظہور ہوتا ہے۔ (۵۸) اس کے ساتھ ذرا امام قرطبیؒ کا یہ بیان بھی پڑھیئے اور ملاحظہ کیجئے کہ فقہائے مسلمین اس حقیقت تک رسائی میں کتنی ذہانت کا ثبوت دیا ہے، فرماتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ طاعون زدہ علاقے سے فرار اختیار کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس مرض عام کے سبب میں اس جگہ کے لوگوں کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کہ ایسا شخص اس مرض کا بڑا حصہ لئے ہوئے ہو۔ اس لئے اس کو فرار اختیار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ سفری مشقتیں اس کو مرض کی لاحق شدہ مبادیات میں اضافے کا موجب بن سکتی ہیں جس کے نتیجے میں آلام بڑھ جاتے ہیں اور زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ اس طرح ہر راہ پہ موتیں ہوں گی اور مُردوں کو گڑھوں کے حوالے کرنا پڑے گا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو وبا سے بھاگا ہو اور بچ گیا ہو۔ یہ بات ابن مدائنی نے نقل کی ہے۔ (۵۹)

۵۔ طاعون مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوگا

غیبی امور کی خبروں میں (جن کی صداقت پہلے بھی واضح ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ واضح ہوتی چلی جائے گی) ایک حدیث وہ ہے جس کو متعدد صحابہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے:

ان الطاعون لایدخل المدینة المنورة (۶۰)

طاعون مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوگا۔

اسی طرح بخاری اور دیگر حضرات نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لایدخل المدینة المسیح ولا الطاعون (۶۱)

دجال اور طاعون مدینہ میں داخل نہ ہوسکیں گے۔

اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ عملاً بھی ایسے ہی ہوا ہے، حافظؒ فرماتے ہیں:

ابنِ قتیبہ نے المعارف میں اور ان کی اتباع میں ایک بڑی تعداد نے، جن میں شیخ محی الدین نوویؒ (الاذکار میں) بھی ہیں، اس بات کو جزم کے ساتھ بیان کیا ہے کہ

طاعون مدینے میں کبھی بھی داخل نہیں ہوا اور نہ مکے ہی میں، لیکن ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ طاعون مکے میں ۷۴۹ھ کے سال میں داخل ہوا تھا، بہ خلاف مدینے کے۔ چناں چہ اس کے متعلق کسی نے بھی ذکر نہیں کیا کہ وہاں کبھی طاعون پھوٹا ہو۔(۶۲)

زرقانیؒ کا بیان ہے:

علماء نے طاعون کے مدینے میں داخل ہونے کو اس کی خصوصیات میں شمار کیا ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی اس کے لئے دعائے صحت کا نتیجہ ہے، لہٰذا یہ آپ کا معجزہ ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اطبا طاعون کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہونے بل کہ ایک بستی سے دوسری بستی میں منتقل ہونے سے روکنے سے عاجز آ گئے۔ مدینے میں طویل مدتوں کے دوران طاعون کا داخل نہ ہوسکنا نبی کریم ﷺ کی دعا کی وجہ سے ہے، یہ مدینے کی خصوصیت ہے۔(۶۳)

اس کی علت بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ طاعون مسلمانوں کے دشمن جنات کی کارستانی ہے اور کافر جنات وشیاطین کو مدینہ میں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے اور جو کوئی اتفاق سے وہاں داخل ہو بھی جائے تو وہ کسی کو کچھ کا نہیں لگا سکتا۔ لیکن یہاں دو سوال ہیں جن سے تعرض کرنا اگلے موضوع کی طرف منتقل ہونے سے پہلے ضروری ہے۔ پہلا یہ کہ آیا یہ بات کسی خاص زمانے کے لئے ہے، یا تمام زمانوں کے لئے اور دوسرا یہ کہ اس سلسلے میں مکہ کا حکم کیا ہے؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو طاعون کے مدینے میں داخل نہ ہونے کی حدیث متعدد صحابہؓ سے مروی ہے اور بہت سی احادیث میں طاعون کے ساتھ دجال کے بھی مدینے میں داخل نہ ہونے کا ذکر ہے۔ ذیل میں اس طرح کچھ روایات ملاحظہ کیجئے:

ا۔ امام مالکؒ نے نعیم بن عبداللہ المجمر سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

علی أنقاب المدینة ملائکة لایدخلها الطاعون ولا الدجال(۶۴)

مدینہ کی راہوں پر فرشتے ہیں اس میں طاعون داخل ہوسکتا ہے اور نہ دجال۔

اس حدیث کو بخاری، مسلم، احمد اور دیگر حضرات نے امام مالکؒ کے طریق سے روایت کیا ہے(۶۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک اور طریق بھی ہے جسے احمد نے ذکر کیا ہے۔

سہل اپنے والد سے اور وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

علی أنقاب المدینة ملائکة لایدخلها الطاعون ولا الدجال (٦٦)

مدینے کی راہوں پر فرشتے ہیں، اس میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتے۔

اس کا ایک تیسرا طریق بھی ہے جسے احمد ہی نے ذکر کیا ہے۔ عمرو بن علاء ثقفی نے ابو ہریرہؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا آپ نے فرمایا:

المدینة ومکة محفوفتان بالملائکة علی کل نقب منها ملك لایدخلها الدجال ولا الطاعون (٦٧)

مدینے اور مکے کا فرشتوں نے احاطہ کیا ہوا ہے۔ اس کی ہر راہ پر ایک فرشتہ ہے اور اس میں دجال اور طاعون داخل نہ ہوسکیں گے۔

۲۔ بخاری نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المدینة یأتیها الدجال فیجد الملائکة یحرسونها فلا یقربها الدجال، قال: ولا الطاعون ان شاء الله

دجال مدینے کی طرف آئے گا لیکن فرشتوں کو اس کی پاسبانی کرتا ہوا دیکھے گا تو اس کے قریب نہ ہوگا، نیز فرمایا اور ان شاء اللہ طاعون بھی۔

اس حدیث کو ترمذی، احمد، ابویعلیٰ اور ابنِ حبان نے یزید بن ہارون تک اپنی اپنی اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (٦٨)

۳۔ امام احمد بن حنبلؒ، حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

مثل المدینة کالکیر، وحرم ابراهیم مکة وأنا أحرّم المدینة، وهی کمکة، حرام ما بین حرتیها وحماها، کلها لا یقطع منها شجرة الا أن یعلف رجل منها، ولا یقربها ان شاء الله الطاعون ولا الدجال، والملائکة یحرسونها علی أنقابها وأبوابها (٦٩)

مدینے کی مثال بھٹی جیسی ہے، حضرت ابراہیمؑ نے مکہ مکرمہ کو حرام قرار دیا تھا اور میں مدینہ منورہ کو حرام قرار دیتا ہوں، لہٰذا وہ مکہ کی طرح حرام ہے۔ اس کی دونوں وادیوں کا درمیانی حصہ اور اس کی چراگاہیں مکمل طور پر حرام ہیں، جس کا کوئی درخت

نہیں کاٹا جاسکتا الا یہ کہ کوئی شخص اپنے اونٹ کو کھلائے اور ان شاء اللہ طاعون اور دجال اس کے قریب بھی نہ آسکیں گے۔ اس کی تمام راہوں اور دروازوں پر فرشتے پہرہ دار ہیں۔

۴۔ مسندِ حارث (زوائدِ ہیثمی) میں ابومسیّب رضی اللہ عنہ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ) کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أتاني جبريل بالحمى والطاعون فامسكت الحمى المدينة وأرسلت الطاعون الى الشام، والطاعون شهادة لأمتي ورحمة لهم ورجس على الكافرين (۷۰)

جبریل میرے پاس بخار اور طاعون لے کر آئے، میں نے بخار کو مدینے کے لئے روک لیا اور طاعون کو شام بھیج دیا، طاعون میری امت کے لئے شہادت ورحمت اور کافروں کے لئے عذاب ہے۔

۵۔ حضرت سعد بن مالکؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللهم بارك لأهل المدينة في مدينتهم وبارك لهم في صاعهم وبارك لهم في مدهم، اللهم ان ابراهيم عبدك وخليلك واني عبدك ورسولك وان ابراهيم سألك لأهل مكة واني أسألك لأهل المدينة مثل ماسألك ابراهيم لأهل مكة ومثله معه، ان المدينة مشبكة على كل نقب منها ملكان يحرسانها، لايدخلها الطاعون ولا الدجال، من أرادها بسوء أذابه الله كما يذوب الملح في الماء (۷۱)

اے اللہ! اہلِ مدینہ کے لئے ان کا شہر مبارک فرما، ان کے صاع اور مدّ میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! ابراہیم آپ کے بندے اور خلیل تھے اور میں آپ کا بندہ اور رسول ہوں۔ میں آپ سے اہلِ مدینہ کے لئے ویسی ہی دعا مانگتا ہوں جیسی ابراہیم نے اہلِ مکہ کے لئے مانگی تھی، اور اتنی ہی اور بھی۔ پھر فرمایا کہ مدینہ منورہ ملائکہ کے جال میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کے ہر سوراخ پر دو فرشتے اس کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں، یہاں طاعون اور دجال داخل نہیں ہوسکتے۔ جو اس کے ساتھ ناپاک ارادہ کرے گا اللہ اسے اس طرح پگھلا دے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔

اور حاکم نے بھی اس کو نقل کیا ہے، حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے تاہم بخاری اور مسلم نے روایت نہیں کیا ہے، ذہبی نے بھی حاکم کی بات پر اتفاق کیا ہے۔

۶۔ بزّار نے عیاض سے روایت کیا ہے (عیاض اسامہ بن زیدؓ کے بھتیجے تھے، اور اسامہؓ نے اپنی بیٹی ان کے عقد میں دی تھی۔) کہ کسی طرف کا ایک آدمی آیا اور جب مدینے کے قریب پہنچا تو اسے گمان ہوا کہ مدینے میں تکلیف (یعنی طاعون) ہے۔ عیاض کہتے ہیں کہ مجھے پتا تھا کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

انی لأرجوأن لایطلع علینا المدینة یعنی الطاعون(۷۳)

مجھے امید ہے کہ وہ (یعنی طاعون) ہمارے مدینہ میں نہیں آئے گا۔

اس حدیث کو عبدالرزاق نے زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ ایک آدمی کسی دیہات میں طاعون سے مر گیا تو لوگ خوف زدہ ہو گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

فانی أرجوألاتطلع الینا بقایاھا(۷۴)

مجھے امید ہے کہ طاعون کی باقیات ہم تک نہ پہنچ سکیں گی۔

۷۔ حضرت عمرؓ کا موقوف اثر ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ اختار لنبیہ المدینة وھی أقل الأرض طعاما وأملحہ ماء الا ماکان من ھذا التمر فانہ لایدخلھا الدجال ولاالطاعون ان شاء اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے مدینہ کا انتخاب فرمایا۔ اس سرزمین میں طعام کی سہولت کم اور اس کا پانی نمکین ہے، سوائے اس کی کھجوروں کے، اور اس میں ان شاءاللہ دجال اور طاعون کا داخلہ نہ ہو سکے گا۔

حافظ نے اس اثر کو المطالب العالیہ میں ذکر کیا ہے۔ (۷۵) اور حارث کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔ اسی کتاب کے محقق مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے لکھا ہے کہ بوصیری نے اس اثر کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے، تاہم ابوالبختری کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں ہے، اس لئے سند منقطع ہے۔

ان احادیث پر غور کرنے کے بعد ہم مدینے کو طاعون کے داخل نہ ہونے کے اعتبار سے تین

ادوار میں منقسم کر سکتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کا دور، خروج دجال کا دور اور ان دوادوار کا درمیانی زمانہ۔

یہ واضح ہے کہ پہلی، دوسری، تیسری، پانچویں اور ساتویں حدیث زمانۂ دجال میں طاعون کے مدینے میں داخل نہ ہونے پر صریح ہیں۔ اسی طرح چوتھی اور چھٹی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں طاعون کے عدم دخول پر صراحت کے قریب ہیں۔ رہا ان دوادوار کا درمیانی زمانہ تو وہ احادیث جن میں دجال اور طاعون کا اکٹھے ذکر ہے، دو معنوں کا احتمال رکھتی ہیں:

اول: ان دونوں کو اکٹھے ذکر کرنے سے مراد اقترانِ زمانی ہے کہ دونوں بہ یک وقت مدینے میں داخل نہ ہو سکیں گے۔

دوم: ان دونوں کو اکٹھے ذکر کرنے کا اقترانِ زمانی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور معنی یہ ہے کہ ان دنوں میں سے کوئی بھی اپنے متعلقہ زمانے میں مدینے میں داخل نہ ہو سکے گا۔ باقی ان دونوں کو اکٹھے ذکر کرنا انتشار اور پھیلاؤ میں مشابہت کی وجہ سے ہے۔

چناں چہ طاعون جب کسی علاقے میں پھوٹ پڑتا ہے تو تیزی سے پھیلتا ہے، یہی حال دجال کا ہوگا کہ اس کا فتنہ دنیا میں بہت تیزی کے ساتھ پھیلے گا، لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور نبی کریم ﷺ کی دعا کی وجہ سے ان کو مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ یہ دوسرا معنیٰ ان احادیث کے سیاق سے زیادہ قریب ہے، کیوں کہ یہ احادیث مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفاً وطیباً) کے فضائل ومناقب میں وارد ہوئی ہیں اور اسی معنیٰ کی تائید چوتھی حدیث میں نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

أتانی جبریل بالحمیٰ والطاعون فامسکت الحمیٰ المدینة وأرسلت الطاعون الی الشام

جبریلؑ میرے پاس بخار اور طاعون لے کر آئے تو میں نے بخار کو مدینہ میں روک لیا اور طاعون کو شام بھیج دیا۔

غالب گمان یہی ہے کہ طاعون کا عدمِ دخول ہر زمانہ کے لئے عام ہے۔ البتہ قرطبیؒ نے المفہم میں (جیسا کہ حافظؒ نے ان سے نقل کیا ہے) (۷۶) فرمایا ہے کہ عدمِ دخول کا تعلق ان طاعونوں سے ہے جو مدینہ منورہ کے باہر واقع ہوں، جیسے طاعونِ عمواس اور دیگر تباہ کن طاعون، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں اس کا مطلقاً داخل نہ ہونا ہی ثابت ہے۔ واللہ اعلم

اس مقام پر دوسرا سوال جس سے شارحینِ حدیث نے تعرض کیا ہے، یہ ہے کہ اگر مکہ بھی اس حکم میں داخل ہوتو آیا طاعون مکے میں داخل ہوا ہے یا نہیں، تو اس کے متعلق وارد احادیث اور مذکورہ بالا احادیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام احادیث میں مکے کا ذکر نہیں ہے بل کہ صرف مدینے ہی کا ذکر ہے۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس سلسلے میں سات صحابہؓ سے احادیث مروی ہیں ان میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے علاوہ باقی کسی میں بھی مکے کا ذکر نہیں ہے۔ حدیثِ ابو ہریرہؓ تین طرق سے مروی ہے اور مکے کا ذکر صرف ایک میں ہے۔ اس کو احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المدینة ومکة (۷۷) مـحـفـوفتـان بالملائكة علی كل نقب منهاملك لایدخلها الدجال ولاالطاعون

مدینے اور مکے کو فرشتوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے، ان کے ہر راستے پر ایک فرشتہ ہے اور اس میں دجال اور طاعون داخل نہ ہو سکیں گے۔

اس کو ہیثمیؒ نے احمد کی طرف منسوب کر کے ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: اس کے راوی ثقہ ہیں۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری (۷۸) میں اس کو احمد کے طریق سے عمر بن شبہ (جنہوں نے اس کو کتابِ مکہ میں ذکر کیا ہے۔) کی طرف منسوب کیا ہے، البتہ اس میں سریج کی جگہ شریح کا ذکر ہے۔ حافظؒ فرماتے ہیں: **رجاله رجال الصحیح**، لیکن شاید صحیح سریج ہی ہے کیوں کہ حافظؒ نے تہذیب التہذیب میں اس کا ذکر ان رُواۃ میں کیا ہے جو فلیح بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں، بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکے میں طاعون کے داخل نہ ہونے کی بات بعض راویوں کی غلطی ہے، کیوں کہ اس کے راوی تو اگر چہ ثقہ ہیں لیکن فلیح بن سلیمان کے بارے میں حافظ تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں کہ وہ صدوق کثیر الخطاء ہیں اور سریج بن النعمان کے تذکرے میں فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں لیکن کچھ وہم ہو جاتا ہے، اس میں وقوعِ وہم کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ احمد کی حدیث کے سیاق کا آغاز مکے اور مدینے کے ذکر سے ہوتا ہے۔

المدینة ومکة محفوفتان بالملائكة لایدخلها الدجال ولاالطاعون

مدینہ اور مکہ کا فرشتوں نے گھیراؤ کیا ہوا ہے، دجال اور طاعون اس میں داخل نہ ہوں گے۔

یہاں ضمیر تثنیہ ''ہما'' کے بہ جائے ضمیر مفرد ''ہا'' ہے۔ اسی طرح احمد کی نسبت سے مجمع

الزوائد میں آیا ہے۔لہٰذا یہ روایت طاعون کے مکہ میں داخل نہ ہونے کے بارے میں صریح نہیں ہے۔البتہ عمر بشبہ کی روایت میں (جیسا کہ حافظؒ نے ذکر کیا ہے) لایدخلھما، ضمیر تثنیہ کے ساتھ ہے۔اس اختلاف اور سریج اور فلیح کے حدیث میں غلطی اور وہم کو پیش نظر رکھا جائے، نیز اس روایت کو موضوع کی دیگر احادیث کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بعض راویوں سے اس روایت میں وہم ہوگیا ہے، لہٰذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے طاعون کے مکہ میں داخل نہ ہونے کی خبر دی ہے۔واللہ اعلم

لیکن اس بارے میں کسی صریح حدیث کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ طاعون مکے میں داخل ہو بل کہ اس سے نبی کریم ﷺ کا اس معاملے میں سکوت ثابت ہوتا ہے۔اب حقیقت واقعہ کیا ہے؟ حافظؒ اور زرقانیؒ (۷۹) نے ابن قتیبہؒ سے اس بات کا جزم نقل کیا ہے کہ طاعون مکے میں ۷۴۷ھ میں داخل ہوا تھا، حافظؒ کہتے ہیں: ''لیکن ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ مکے میں طاعون ۷۴۹م میں داخل ہوا تھا بہ خلاف مدینے کے کہ اس کے متعلق کسی نے بھی ذکر نہیں کیا کہ طاعون اس میں آیا ہو۔یہاں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، زرقانیؒ اور حافظؒ کے ذکر کئے گئے سالوں میں اختلاف ہے، نیز یہ بات کہ آیا یہ مرض واقعتاً طاعون ہی تھا یا اس جیسا کوئی مرض تھا؟ کیوں کہ اس وقت لوگوں کے لئے امراض کی باریک تشخیص کرنا ممکن نہ تھا اور پھر اگر یہ طاعون ہی تھا تو آیا وبا کی شکل میں تھا یا افراد کو لاحق تھا؟ یہ سب باتیں پردۂ خفا میں ہی ہیں، البتہ دوسرے احتمال کو یہ بات تقویت دیتی ہے کہ سنِ وقوع میں علماء کا اتفاق نہیں ہے، نیز اکثر مورخین نے اس طاعون کے وقوع کو اسی سال کے واقعات میں ذکر نہیں کیا ہے۔(۸۰) حاصل یہ ہوا کہ یا تو یہ کہا جائے کہ جس حدیث میں طاعون کے مکے میں داخل نہ ہونے کا ذکر ہے وہ ثابت نہیں اور بعض راویوں کو اس میں وہم ہوا ہے یا یہ کہا جائے کہ طاعون مکے میں داخل ہی نہیں ہوا یا داخل تو ہوا لیکن وبائے عام کی شکل میں نہیں بل کہ افراد کو لاحق ہوا۔اور حدیث کی مراد، اگر اس کو ثابت مان لیا جائے، تو یہ ہے کہ عدمِ دخول سے مراد، عمومی وبا کی حیثیت سے داخل نہ ہونا ہے۔زرقانیؒ کہتے ہیں: اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ مذکورہ تاریخ سے طاعون کے مکے میں داخل ہونے کی جو بات نقل کی گئی ہے صحیح نہیں ہے، یا یہ کہا جائے گا کہ مکے اور مدینے میں طاعون اس طرح داخل نہ ہوگا جس طرح دیگر جگہوں میں اس کا وقوع ہوا جیسے جارف اور عمواس۔(۱۲۴)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہرسال دنیا کی مختلف اطراف

سے زائرین کی ایک بڑی تعداد آتی ہے۔ ان میں وہ خطے بھی ہیں جو وباؤں سے شدید متاثر ہوتے ہیں، اس کے علاوہ وہ علاقے بھی جن میں طاعون بہت شدت اور تیزی سے پھیلا ہوتا ہے۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ مکے اور مدینے میں باقی علاقوں کی نسبت طاعون زیادہ پھیلتا، حال آں کہ یہ دونوں شہر اس مرض سے ہمیشہ محفوظ رہے ہیں۔ یہ بات قابلِ ملاحظہ وتحقیق ہے۔

حدیث سے ثابت ہونے والے احکامِ طاعون

حدیث نبوی ﷺ کا طاعون سے متعلق اہم ترین حکم یہ ہے کہ جس شہر میں طاعون پھیلا ہوا ہو، باہر سے آدمی اس شہر میں نہ آئے اور اگر وہ اس کے پھیلنے سے پہلے اس میں موجود ہو تو وہاں سے نہ نکلے، لیکن اس موضوع پر ذرا تفصیلی گفت گو سے پہلے حدیث میں دیگر احکام پر ایک عمومی نظر ڈال لی جائے۔

ا۔ سابقہ امتوں کا عذاب

گزشتہ صفحات میں ہم نے وہ احادیث ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طاعون کو بنی اسرائیل کے کسی گروہ اور دیگر امتوں پر عذاب اور مصیبت بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن اس کا عذاب ہونا سابقہ امتوں کے کفار یا نافرمانوں کے ساتھ خاص تھا۔ جہاں تک ان امتوں کے مومنین صالحین کی بات ہے تو ان کے بارے میں ابن حبان نے شرجیل بن حسنہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

موت الصالحين قبلكم (۸۱)

یہ تم سے پہلے صالحین کی موت کا سبب تھا۔

اسی طرح ابن ابی شیبہؒ (۸۲) نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸۳) میں **قبض الصالحين قبلكم** (تم سے پہلے صالحین کے اٹھائے جانے کا سبب تھا) کے الفاظ نقل کئے ہیں اور فرمایا ہے، اس کو احمد نے اور طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے۔ احمد کے رجال ثقہ ہیں اور اس کی سند متصل ہے۔ اس طرح اس کا عذاب ہونا سابقہ امتوں ہی کے ساتھ خاص نہیں بل کہ یہ اس امت کے لئے بھی عذاب ہوسکتا ہے، جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قوم میں بے حیائی کے ظہور کی وجہ سے طاعون پھیل سکتا ہے۔ چناں چہ ابن ماجہ اور بیہقی کے الفاظ ہیں:

لم تظهر الفاحشة فی قوم قط حتی یعلنوا بها الافشافیهم الطاعون والأوجاع التی لم تکن مضت فی أسلافهم

کسی قوم میں جب بے حیائی کا ظہور ہوتا ہے اور وہ اعلانیہ اس کا ارتکاب کرتی ہے تو اس میں طاعون اور ان بیماریوں کی یلغار ہو جاتی ہے، جو ان سے پہلوں میں واقع نہ ہوئی ہوں گی۔

اس حدیث کو حافظؒ نے فتح الباری (۸۴) میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی سند میں خالد بن یزید بن مالک ہیں۔ یہ فقہائے شام میں سے تھے لیکن وہ احمد، ابن معین اور دیگر حضرات کے ہاں ضعیف ہیں جب کہ احمد بن صالح مصری اور ابوزرعہ دمشقی نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ آپ کثرت سے غلطی کرتے تھے۔ موطا میں اس حدیث کا ابن عباسؓ سے مروی ایک شاہد ہے جس کے الفاظ ہیں:

ولا فشا الزنا فی قوم قط الا کثر فیهم الموت

کسی قوم میں جب زنا کاری کا ظہور ہوتا ہے تو شرحِ اموات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد ابن حبان نے اس کے دیگر شواہد بھی ذکر کیے ہیں۔ پہلے جو یہ بات ذکر ہوئی کہ طاعون طبعی اسباب (جیسے پسوؤں کے کاٹنے اور بیکٹر یا کے منتقل ہونے) سے پھیلتا ہے یہ اس کے عذاب ہونے کے منافی نہیں ہے کیوں کہ عذاب میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ قوانینِ کائنات اور نوامیسِ طبیعیہ کے دائرے سے خارج ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کبھی عام طبعی مظاہر (جیسے ہوائیں، بارشیں وغیرہ) کو بھی بعض لوگوں کے عذاب کا سبب بنا دیتا ہے۔

پھر طاعون کے بعض سابقہ امتوں کے لئے اور اس امت کے بعض افراد کے لئے عذاب ہونے میں دو وجوہ سے فرق ہے۔ ایک تو یہ کہ سابقہ امتوں پر عذاب کسی مخصوص معاملے میں کسی نبی کے انذار کے بعد آتا تھا، اس طرح اس میں عذاب کی جہت یقینی ہوتی تھی۔ لیکن اس امت میں چوں کہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد اس طرح کا انذار ممکن نہیں ہے، اس لئے اگر اس امت کے افراد کو طاعون لاحق ہو تو وہ عذاب بھی ہوسکتا ہے اور اللہ کی طرف سے رفعِ درجات کے لئے مجرد ابتلا بھی ہوسکتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ بے حیائی کے ظاہر ہونے پر طاعون کے سزا ہونے میں رحمت کا پہلو بھی مضمر ہے۔ کیوں کہ اس کے نتیجے میں جس مشقت والم کا سامنا کرنا پڑے گا اس

کے بہ قدر گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا یا آخرت میں اس کے برابر عذاب میں تخفیف یا معافی ہوجائے گی۔ واللہ اعلم

۲۔مومنین کے لئے رحمت

بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

كان عذابا يبعثه الله على من يشاء فجعله الله رحمةً للمومنين

یہ ایک عذاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ جس پر چاہے بھیجتا ہے۔ اور اہل ایمان کے لئے یہ رحمت ہے۔

حدیث ابن میّبؓ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

فالطاعون شهادة وأمتي ورحمة لهم ورص على الكافر

طاعون میری امت کے لئے شہادت اور رحمت کا باعث ہے جب کہ کافر پر عذاب ہے۔

ہیثمی نے اس کو مجمع الزوائد میں ذکر کیا ہے۔(۸۶) اور فرمایا ہے: اس کو احمد نے اور طبرانی نے الکبیر میں ذکر کیا ہے۔ احمد کے رجال ثقہ ہیں۔ اس کا اہلِ اطاعت مومنین کے لئے رحمت ہونا واضح ہے لیکن نافرمانوں کا حکم کیا ہے؟ خاص طور پر وہ جو بے حیائی جیسی معصیتوں کے ارتکاب کی وجہ سے اس میں مبتلا ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہ ظاہر اس کا رحمت ہونا ان کو بھی شامل ہے۔ اگر چہ اس رحمت کا درجہ ان کے حق میں کم ہوگا، کیوں کہ اگر معصیت کے مرتکب شخص کو اس کی وجہ سے دنیا میں کسی مصیبت سے واسطہ پڑے تو یہ اس کے لئے کفارہ بن جاتی ہے، جیسا کہ عبداللہ بن مغفلؓ سے ابن حبان (۸۷) کی روایت کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللـه جـل وعلا اذا أراد بعبد خيرا عجل عقوبة ذنبه، واذاأراد بعبد شراً أمسك عليه ذنبه حتى يوافي يوم القيامة كأنه عائر

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہ پر سزا میں جلدی کرتا ہے اور اگر کسی بندے سے شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے گناہ کی سزا کو روک لیتا

ہے، یہاں تک کہ روزِ قیامت اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا، (اور اس کے گناہ اس قدر زیادہ ہوں گے کہ) گویا وہ عائر (ایک پہاڑ کا نام) ہے۔

اسی طرح ابن ماجہ (۸۸) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

مـن أصاب في الدنيا ذنبا فعوقب به فالله أعدل من أن يثني عقوبته على عبـده ومن أذنب ذنبا في الدنيا فستره الله عليه فالله أكرم من أن يعود في شيىء قد عفاعنه

جس سے دنیا میں کوئی گناہ سرزد ہو پھر اسے سزا مل گئی تو اللہ تعالیٰ انصاف فرمانے والے ہیں، اپنے بندے کو دوبارہ سزا نہ دیں گے، اور جس نے دنیا میں ارتکابِ گناہ کیا پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی کر لی تو اللہ مہربان ہیں جو معاف کر دیں دوبارہ اس کی باز پرس نہ فرمائیں گے۔

۳۔ طاعون شہادت ہے

متعدد احادیث میں آتا ہے کہ جو آدمی طاعون سے مر جائے تو وہ شہادت کا درجہ پاتا ہے۔ اس طرح کی کچھ احادیث یہ ہیں۔ حاکم نے مستدرک (۸۹) میں حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت کیا ہے (اور اس روایت کو مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔) کہ ہم نے طاعون سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اخوانكم أوقال أعدائكم من الجن وهولكم شهادة

وہ تمہارے بھائی یا فرمایا تمہارے دشمن جنات کی طرف سے ہے اور تمہارے لئے شہادت ہے۔

احمد نے حدیثِ ابی مسیّب روایت کی ہے :

فالطاعون شهادة للمومنين ورحمة لهم

طاعون اہلِ ایمان کے لئے شہادت اور رحمت ہے۔

حافظؒ نے اس روایت کو ذکر کر کے اس پر سکوت کیا ہے۔ (۹۰) نسائی (۹۱) نے عرباض بن ساریہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَخْتَصِمُ الشُّهَدَاءُ وَالْمُتَوَفَّوْنَ عَلَى فُرُشِهِمْ إِلَى رَبِّنَا فِي الَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنَ الطَّاعُونِ، فَيَقُولُ الشُّهَدَاءُ إِخْوَانُنَا قُتِلُوا كَمَا قُتِلْنَا، وَيَقُولُ الْمُتَوَفَّوْنَ عَلَى فُرُشِهِمْ :إِخْوَانُنَا مَاتُوا عَلَى فُرُشِهِمْ كَمَامُتْنَا، فَيَقُولُ رَبُّنَا :انْظُرُوا إِلَى جِرَاحِهِمْ، فَإِنْ أَشْبَهَ جِرَاحُهُمْ جِرَاحَ الْمَقْتُولِينَ، فَإِنَّهُمْ مِنْهُمْ وَمَعَهُمْ، فَإِذَا جِرَاحُهُمْ قَدْ أَشْبَهَتْ جِرَاحَهُمْ

شہدا اور اپنے بستر پر مرنے والے لوگ اپنے رب کے سامنے طاعون سے مرنے والوں کے (ثواب میں) جھگڑا کریں گے چناں چہ شہدا کہیں گے: ہمارے بھائی بھی ایسے ہی مارے گئے جیسے ہم مارے گئے اور اپنے بستروں پر مرنے والے کہیں گے: ہمارے بھائیوں کو بھی ہماری طرح بستروں ہی پر موت آئی تو ہمارا رب ارشاد فرمائے گا: ان کے زخموں کو دیکھو، اگر وہ قتل ہونے والوں کے زخموں جیسے ہوں تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے، چناں چہ ان کے زخم، مقتولین کے زخموں جیسے ہوں گے۔

اہلِ اطاعت مومنین کے لئے اس کا شہادت ہونا تو واضح ہے، لیکن نافرمانوں کے حوالے سے حافظ ابن حجرؒ نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ احادیث میں تو یہ آیا ہے کہ طاعون معصیت کے سبب سے کبھی عقوبت بن کر آتا ہے تو پھر یہ شہادت کیسے ہوسکتا ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ: احادیث کے عموم (اور خاص طور پر جو اس سے پہلے حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ **الطاعون شهادة لكل مسلم** (طاعون ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے) کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ مرنے والا درجۂ شہادت پر فائز ہوتا ہے اور مرتکبِ سیئات کے درجۂ شہادت کے حصول سے اس کی مومنِ کامل کے ساتھ درجے ومنزلت میں برابری لازم نہیں آتی، کیوں کہ شہدا کے درجات میں تفاوت ہوتا ہے، پس طاعون شہادت کا سبب ہونے میں تلوار کی مانند ہے کیوں کہ جس طرح تلوار قرض اور حقوق العباد کے علاوہ سارے گناہوں کو مٹادیتی ہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ طاعون حقوق العباد کے سوا باقی گناہوں کے لئے تریاق ہو۔

۴۔ نبی کریم ﷺ کی دُعا

بعض احادیث میں آتا ہے کہ طاعون اس امت کے لئے نبی کریم ﷺ کی دعا ہے۔ احمد نے (۹۲) شرحبیل بن حسنہؓ سے روایت کیا ہے:

انه دعوة نبيكم ورحمة ربكم وموت الصالحين قبلكم

طاعون تمہارے نبی کی دعا، رب کی رحمت اور تم سے پہلے صالحین کی موت ہے۔

اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ (۹۳) سے بھی مروی ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ بہ ظاہر تو یہ امت کے لئے بددعا ہے نہ کہ دعا، تو ابوقلابہ (۹۴) نے حدیثِ معاذ: **هو شهادة ورحمة ودعوة نبيكم صلى الله عليه وسلم** (وہ شہادت، رحمت اور تمہارے نبی ﷺ کی دعا ہے۔) نقل کرنے کے بعد یہ جواب دیا ہے۔ ''شہادت اور رحمت تو میری سمجھ آئی لیکن یہ علم نہ تھا کہ نبی کی دعا ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یہاں تک کہ مجھے یہ خبر دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات نماز ادا فرمارہے تھے کہ اپنی دعا میں تین بار کہا: **فحمى اذاًأو طاعون، فحمى اذاًأو طاعون** (پھر بخار یا طاعون، یا بخار یا طاعون) جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ سے گھر کے کسی فرد نے کہا، یارسول اللہ ﷺ میں نے رات کو آپ کو ایک دعا کرتے ہوئے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: تو تم نے سن لیا؟ اس نے کہا: جی ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا تھا کہ میری امت کو قحط سے ہلاک نہ کرے تو میری دعا سن لی گئی۔ پھر میں نے سوال کیا کہ میری امت پر کوئی غیر دشمن مسلط نہ کرے جو ان کو بالکل مٹا ڈالے، یہ دعا بھی قبول ہوگئی۔ پھر میں نے سوال کیا کہ میری امت کو گروہوں میں بانٹ کر باہم ٹکرائے نہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا۔ یا (آپ ﷺ نے فرمایا) اللہ نے اس دعا کو روک لیا، تو میں نے کہا پھر یا بخار یا طاعون، یا بخار یا طاعون۔

گویا نبی کریم ﷺ نے اس کی دعا فرمائی تاکہ وہ اس سے کسی بڑے عذاب کے لئے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

۵۔ طاعون میں صبر کرنا شہادت کا باعث ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپؓ نے نبی کریم ﷺ سے طاعون کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

كان عذابا يبعثه الله على من يشاء فجعله الله رحمة للمومنين فليس من عبد يقع الطاعون فيمكث في بلده صابرا يعلم انه لن يصيبه الا ما كتبه الله له مثل أجر الشهيد(۹۵)

یہ ایک عذاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے بھیجتا ہے چناں چہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مومنین کے لئے رحمت بنادیا ہے۔اب اگر کوئی آدمی مبتلائے طاعون ہوجاتا ہے اور اپنے شہر میں صبر کر کے ٹھہرا رہے اور اس کو یہ یقین ہو کہ اللہ کا طے شدہ امر ہی اس کو لاحق ہوتا تو اس کے لئے شہید جیسا اجر ہے۔

اس حدیث کا تقاضا ہے کہ جو آدمی ان اوصاف سے متصف ہو اس کو شہید کا اجر ملتا ہے اگر چہ اس کی موت طاعون سے واقع نہ ہو۔ یہ فضیلت گزشتہ حدیث کی فضیلت کے علاوہ ہے۔

۶۔ طاعون زدہ شہر میں داخل ہونے اور وہاں سے نکلنے کا حکم

طاعون کے بارے میں اہم ترین حکم نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے جو پہلے گزر چکا ہے:

اذاسمعتم بہ بأرض فلاتقدموا علیہ واذا وقع بأرض وأنتم بهافلاتخرجوا فراراً منه

جب تم طاعون کے بارے میں سنو کہ کسی سرزمین میں پھوٹ پڑا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب وہ تمہاری زمین پر پھوٹ پڑے تو وہاں سے راہِ فرار مت اختیار کرو۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے باہر کے آدمی کو طاعون زدہ زمین میں آنے سے اور انتشارِ مرض کے وقت اس میں موجود آدمی کو باہر جانے سے منع کیا ہے۔ اب اس نہی کی علت کیا ہے؟ آیا یہ نہی تحریم کے لئے ہے یا تنزیہہ کے لئے؟ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اسلام میں مرض کے متعدی ہونے کے حکم پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیں۔

تعدیۂ مرض کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر

تعدیۂ مرض کے متعلق مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں جو بہ ظاہر متعارض دکھائی دیتی ہیں۔ بعض سے پتا چلتا ہے کہ مرض متعدی ہوتا ہے اور بعض سے اس کی نفی ثابت ہوتی ہے، تطبیق یا ترجیح سے پہلے ان احادیث کو ملاحظہ کیجئے۔

اول: تعدیۂ مرض کی نفی سے متعلق

بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاعدویٰ ولاصفر ولاهامة،فقال أعرابی: یارسول الله فمابال ابلی

تکون فی الرمل کأنها الظباء فیاتی البعیر الأجرب فیدخل بینها فیجربها؟فقال:فمن أعدی الأول؟(۹۶)

مرض کا ایک دوسرے کو لگنا، ماہ صفر (کا منحوس ہونا)اور الّو کوئی چیز نہیں ہے۔ایک اعرابی نے عرض کیا یارسول اللہ! کیابات ہے کہ اونٹ میدان میں ہرنوں کی طرح ہوتے ہیں،ان کے ساتھ ایک خارشی اونٹ آکر ملتا ہے توان کو بھی خارشی بنا دیتا ہے؟رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے اونٹ کو خارش کہاں سے آئی؟

ترمذی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

قام فینا رسول اللہ فقال: لایعدی شیء شیئا،فقال أعرابی: یارسول اللہ البعیر الجرب الحشفة بذنبه فتجرب الابل کلها، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم :فمن أجرب الأول؟لاعدوی ولاصفر ، خلق اللہ کل نفس وکتب حیاتها ورزقها ومصائبها(۹۷)

نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا کسی کی بیماری کسی کو نہیں لگتی، ایک اعرابی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ایک خارش زدہ اونٹ جب دوسرے اونٹوں کے درمیان آتا ہے تو سب کو خارشی بنا دیتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو پھر پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی؟ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی اور نہ (ماہ)صفر(کی نحوست کا اعتقاد صحیح ہے)اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کو پیدا کیا، اس کی زندگی، رزق اور مصیبتیں بھی لکھ دیں۔

آپ ﷺ کا فرمان **لاعدویٰ** (مرض کا متعدی ہونا کوئی چیز نہیں) متعدد صحابہؓ نے روایت کیا ہے، جن میں،علی ابن ابی طالب(۹۸)ابن عمر(۹۹)انس بن مالک(۱۰۰) جابر (۱۰۱) عبداللہ بن عباس(۱۰۲)عبداللہ بن عمرو(۱۰۳) سعد بن ابی وقاص، (۱۰۴) سائب بن یزید (۱۰۵)ابوسعید خدری(۱۰۶)اور ابوامامہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

دوم: تعدیۂ مرض کے اثبات سے متعلق

بخاری اور دیگر حضرات نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا یوردن ممرض علی مصح

بیمار کو تن درست کے پاس نہ لایا جائے۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا کرتے تھے: لاعدویٰ (مرض کا متعدی ہونا کوئی چیز نہیں) لیکن آپؓ نے بعد میں پہلی حدیث سے لاعلمی کا اظہار کیا تو ہم نے کہا:

ألم تحدث أنه لا عدوی؟ فرطن بالحبشية، قالأبو سلمه فما رأيته نسي حديثا غيره (۱۰۸)

کیا آپ ہم سے یہ حدیث بیان نہیں کرتے تھے کہ مرض کا متعدی ہونا کوئی چیز نہیں؟ تو انہوں نے حبشی زبان میں ایسی بات کی جو میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ابوسلمہ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے سوا کوئی حدیث نہ بھولے۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے:

قال أبوسلمة كان أبوهريرة يحدثهما كلتيهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم صمت أبوهريرة بعدذلك عن قوله: لاعدوى وأقام على أن لا يورد ممرض مصح قال: فقال الحارث بن أبي ذباب وهو ابن عم أبي هريرة: قدكنت أسمعك ياأباهريرة تحدثنا مع هذاالحديث حديثا آخر قد سكت عنه كنت تقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاعدوى، فابى أبوهريرة أن يعرف ذلك، وقال لا يورد ممرض على مصح فمارآه الحارث في ذلك حتى غضب أبوهريرة فرطن بالحبشية فقال للحارث أتدرى ماذاقلت؟ قال لا قال أبوهريرة قلت أبيت قال أبوسلمة ولعمرى لقد كان أبوهريرة يحدثنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لاعدوىٰ فلاأدرى أنسى أبوهريرة أو نسخ أحد القولين الآخر (۱۰۹)

ابوسلمہ نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان دونوں حدیثوں کو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے تھے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے قول ''مرض متعدی نہیں ہوتا'' کے بارے میں خاموشی اختیار کر لی اور اس حدیث پر کہ

''مریض کو تندرست کے پاس نہ لایا جائے'' پر قائم رہے۔ حارث بن ابی ذباب نے کہا (آپ حضرت ابو ہریرہؓ کے بھتیجے ہیں) اے ابو ہریرہؓ میں نے آپ سے سنا کہ آپ اس حدیث کے ساتھ ایک دوسری حدیث روایت کرتے تھے، آپ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مرض متعدی نہیں ہوتا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے اس حدیث کے جاننے سے انکار کر دیا اور کہا ''مریض کو تن درست کے پاس نہ لایا جائے'' حارث اس بات پر مطمئن نہ ہوئے یہاں تک کہ حضرت ابو ہریرہؓ ناراض ہو گئے اور حبشی زبان میں انہیں کچھ کہا، پھر حارث سے کہا: کیا تم جانتے ہو میں نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے کہا ہے کہ مجھے انکار ہے۔ ابوسلمہ نے کہا کہ مجھے اپنی زندگی کی قسم ہے حضرت ابو ہریرہؓ ہم سے حدیث روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مرض متعدی نہیں ہوتا، میں نہیں جانتا کہ حضرت ابو ہریرہؓ بھول چکے ہیں یا ان دونوں قولوں میں سے ایک نے دوسرے کو منسوخ کر دیا۔

حافظ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: مُمْرِض (ضم اول، سکون ثانی، کسرِ را اور اس کے بعد ضاد معجم) اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس بیمار اونٹ ہوں اور مُصِحّ (ضم میم، کسرِ صاد مہملہ اور اس کے بعد حائے مہملہ) اس کو کہتے ہیں جس کے پاس تن درست اونٹ ہوں۔ بیمار اونٹوں والے کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ ان کو تن درست اونٹ کے پاس لائے۔ (۱۱۰)

۲۔ ابوداؤد نے فروۃ بن مسیک سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ہماری ایک زمین ہے جسے ''ابین'' کہا جاتا ہے اور وہ ہماری زراعت کی زمین ہے اور ہمارے اناج و غلہ وغیرہ کی جگہ ہے۔ اس میں ہمیشہ وبا رہتی ہے یا یہ کہا کہ وبا بڑی سخت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

دعها عنك، فإن من القرف التلف

اس زمین کو اپنے سے جدا کر دو، کیوں کہ مسلسل وبا رہنے سے ہلاکت ہوتی ہے۔

قرف (۱۱۲) وبا اور مرض کے دائمی رہنے کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ بیماری کا دوام ہلاکت کا باعث ہے۔

۳۔ بخاری اور دیگر محدثین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

وفر من المجذوم كما تفر من الأسد(۱۱۳)

جذام زدہ آدمی سے اس طرح بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو۔

۴۔مسلم نے عمرو بن شرید سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے:

كان في وفد ثقيف رجل مجذوم، فأرسل اليه النبي صلى الله عليه وسلم أنا قد بايعناك فارجع(۱۱۴)

وفد ثقیف میں ایک جذامی آدمی تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کہلا بھیجا کہ ہم نے تجھ سے بیعت لے لی ہے اس لئے واپس چلا جا۔

۵۔ابن ابی شیبہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاتديموا النظر الى المجذومين(۱۱۵)

جذامیوں کو مسلسل دیکھتے نہ رہا کرو۔

حافظؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ (۱۱۶) ابن جریر طبری نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ آتے ہیں:

ومن كلمه منكم فليكلمه وبينه وبينه قيد رمح(۱۱۷)

تم میں سے جو کوئی اس سے بات کرے تو درمیان میں تیر کے بہ قدر فاصلے پر ہو۔

۶۔عبدالرزاق نے ابی الزناد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے معیقیب الدوسی سے کہا:

أدنه فلو كان غيرك ماقعدمني الا كقيد الرمح وكان أجذم(۱۱۸)

قریب ہو جاؤ، اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو مجھ سے تیر کے بہ قدر فاصلے پر بیٹھتا۔ (معیقیب جذامی تھے)

حافظؒ فرماتے ہیں: طبری نے اس کو معمر کے طریق سے زہری سے روایت کیا ہے حضرت عمرؓ نے معیقیب سے کہا:

اجلس مني قيد رمح ومن طريق خارجة بن زيد كان عمر يقول نحوه وهما أثران منقطعان(۱۱۹)

مجھ سے تیر جتنے فاصلے پر بیٹھ اور خارجہ بن زید کے طریق میں ہے کہ حضرت عمرؓ اسی

طرح کی بات کہتے تھے، اور یہ دونوں منقطع اثر ہیں۔

۷۔عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی مرفوع روایت ہے:

کلم المجذوم وبینك وبینه قید رمحین

جذامی سے بات کرو، اس طور پر کہ تمہارے اور اس کے درمیان دو تیروں کے بہ قدر فاصلہ ہو۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ابونعیم نے اس کو بہت کم زور سند کے ساتھ طب میں ذکر کیا ہے۔(۱۲۰)

۸۔ نبی کریم ﷺ نے طاعون پھیلے ہوئے شہر میں داخلے سے منع فرمایا ہے۔

۹۔طحاوی نے روایت کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے طاعون کے زمانے میں ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو لکھا:

اذا أتاك كتابی هذا فانی أعزم علیك ان أتاك مصبحا لاتمس حتی ترکب وان أتاك ممسیا لاتصبح حتی ترکب الیّ: فقد عرضت لی الیك حاجة لاغنائی عنك فیها،(وکان غرض عمر من ذلك أن لایصیبه الطاعون)فلما قرأ أبوعبیدة الكتاب قال:ان أمیرالمؤمنین أراد أن یستبقی من لیس بباق، فکتب الیه أبوعبیدة: اِنی فی جند من المسلمین انی فررت من المناة والسیر لن أرغب بنفسی عنهم وقد عرفنا حاجة أمیر المؤمنین فحللنی من عزمتك،فلماجاء عمرالكتاب بکی، فقیل له: توفی أبوعبیدة؟قال: لا، فهذا یدل علی أن عمرکان یری أنه لو أقام أبوعبیدة فی بلد الطاعون أصابه من ذلك

جب میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو میں تم کو تاکیداً کہتا ہوں کہ اگر وہ صبح تمہارے پاس پہنچتا ہے تو شام ہونے سے پہلے سوار ہوکر میرے پاس آجاؤ اور اگر شام کو پہنچے تو صبح کرنے سے پہلے سوار ہوکر میرے پاس آجاؤ۔ مجھے تم سے ایک کام پڑ گیا ہے، جس کی وجہ سے تمہارا آنا ناگریز ہے۔(حضرت عمرؓ کی غرض یہ تھی کہ ان کو طاعون لاحق نہ ہوجائے۔)جب ابوعبیدہؓ نے خط پڑھا تو کہنے لگے: امیرالمومنین باقی نہ رہنے والے کو باقی رکھنا چاہتے ہیں، چناں چہ ابوعبیدہؓ نے آپؓ کو لکھا:" میں

مسلمانوں کے لشکر میں ہوں میں خود کو ان سے دور نہیں کروں گا۔ ہمیں امیر المومنین کی حاجت کا پتا چل گیا ہے، اپنے عزم سے ہمیں خلاصی دے دیجیے۔'' جب خط حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو وہ رو پڑے۔ آپؓ سے کہا گیا؟ ابو عبیدہؓ فوت ہو گئے؟ کہا: نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک اگر ابو عبیدہؓ طاعون زدہ شہر میں رہے تو وہ انہیں لاحق ہو جائے گا۔(۱۲۱)

سوم: مختلف احادیث میں تطبیق

ان احادیث کے درمیان تعارض کو رفع کرنے کے سلسلے میں علماء کے مختلف موقف ہیں۔ بعض حضرات تعدیۂ مرض کا اثبات کرنے والی روایات کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض اس کی نفی کرنے والی روایات کو، لیکن اکثر حضرات نے اس معاملے میں جمع و تطبیق کے طریقے کو اپنایا ہے۔ ان کے کئی اقوال ہیں جن میں دو زیادہ مشہور ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ مرض متعدی نہیں ہوتا اور جن احادیث میں مریض سے دوری اختیار کرنے یا قریب ہونے سے منع کیا ہے تو وہ مرض کے سد باب اور سد ذریعہ پر محمول ہیں، اس لئے کہ یہ بات ممکن ہے کہ جب وہ مریض کے قریب ہو تو اسے نئے سرے سے بیماری لگ جائے، نہ کہ تعدیۂ مرض کی وجہ سے، تو اس سے اُسے تعدیۂ مرض کا گمان ہو جائے گا۔ حال آں کہ شریعت نے اس کی نفی کی ہے۔ لہٰذا اس نہی کا مقصد یقین و اعتقاد کی حفاظت ہے۔ حافظؒ فرماتے ہیں: یہی قول ابو عبیدہ اور ان کی اتباع میں ایک جماعت کا ہے۔(۱۲۲)

دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور تعدیۂ مرض کا تعلق محسوس اسباب کے ساتھ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور قدرت کے منافی نہیں ہوتے بل کہ اس کے تحت داخل ہوتے ہیں۔ جب کہ تعدیۂ مرض کا مادی اسباب یا علم طبیعی سے کوئی تعلق نہیں بل کہ (عربوں کے ہاں) یہ توہمات اور خرافات سے وابستہ کیا جاتا تھا۔ عربوں اور دیگر بہت سی اقوام کو طب کے بارے میں کچھ زیادہ خبر نہ تھی، اور وہ اسباب مرض کے متعلق زیادہ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے اس لئے ان کو بعض خداؤں یا افعال (مثل مریض کے قریب جانا) کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ اور ان کا خیال تھا کہ یہ امراض اللہ کی مشیت و اجازت کے بہ جائے خود بہ خود ہی متعدی ہو جاتے ہیں، گویا تعدیٔ مرض کے عقیدے میں شرک و جہالت کی آمیزش تھی۔ اب جن احادیث میں تعدیۂ

امراض کی نفی ہے ان میں یہی مخصوص صورت حال مراد ہے۔ اور جن احادیث سے مرض کے ایک انسان سے دوسرے انسان تک یا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک یا ایک ماحول سے دوسرے ماحول تک متعدی ہونے کا ثبوت ملتا ہے، وہاں اس انتقال کا تعلق بابِ طب سے ہے۔

اس قول کے قائلین میں ابنِ قتیبہؒ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ امراض کبھی کبھی باہم مل بیٹھ کر کھانے پینے، ملنے جلنے، ایک بدن کے دوسرے بدن سے رگڑنے، بوسونگھنے (نظامِ تنفس کے ذریعہ مرض کا متعدی ہونا) اور مرض کی وجہ سے بہنے والی رطوبت کی وجہ سے متعدی ہوجاتے ہیں، اس کے علاوہ مرض کبھی والدین یا کسی ایک کی طرف سے بچے میں منتقل ہوجاتا ہے۔ اطبانے یہ سب باتیں ذکر کی ہیں۔ ابن قتیبہؒ کہتے ہیں:

> اس سے معلوم ہوا کہ اطبا حضرات نیک فالی یا بدفالی کے عقیدے سے کوسوں دور ہیں۔ لہٰذا طبی نقطۂ نظر سے مرض کے متعدی ہونے کا تو ہماتی نقطۂ نظر سے کوئی جوڑ نہیں ہے۔ ابن قتیبہؒ مزید لکھتے ہیں کہ مذکورہ طریقوں سے امراض کا متعدی ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے اس لئے حدیث سے اس کی نفی مراد لینا درست نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:
>
> بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان ''بیمار کو تن درست کے پاس نہ لایا جائے'' سے مراد یہ ہے کہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ اس کے اونٹ کو بیمار اونٹوں کی وجہ سے مرض لاحق ہوا ہے، اس سے وہ گناہ گار ہوجائے گا۔

ابن قتیبہؒ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس قول کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیوں کہ جو بات ہم نے آپ کو بتائی ہے، مشاہدے پر مبنی ہے۔ (۱۲۴) حافظؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے بھی اسی بات کے کچھ حصے کے متعلق اشارہ فرمایا ہے۔ حافظؒ لکھتے ہیں کہ بیہقیؒ نے امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

> جذام کے متعلق ماہرین طب اور اہل تجربہ کی تحقیق یہ ہے کہ وہ (بیوی سے) شوہر کو بہت جلد لاحق ہوجاتا ہے اور جماع سے مانع بن جاتا ہے۔ کیوں کہ کسی عورت کو اگر یہ لاحق ہوگا تو شوہر اس سے آمادۂ جماع نہ ہوسکے گا، اور نہ جذام زدہ شوہر سے قربت پر اس کی بیوی ہی راضی ہوسکتی ہے۔ اولاد کے بارے میں اہل طب کا کہنا ہے کہ اگر والدین جذامی ہوئے تو اولاد اس سے شاذ ہی محفوظ رہ سکے گی اور اگر محفوظ رہ بھی گئی تو اس کی نسل میں یہ مرض ضرور ظاہر ہوگا۔ (۱۲۵)

اس سے معلوم ہوا کہ مرض کے متعدی ہونے کی مطلقاً نفی مراد نہیں ہے، بل کہ اس تعدیے کی نفی مقصود ہے جو اہلِ جاہلیت کا اعتقادی جز تھی۔

بیہقیؒ ترجمۂ باب میں کہتے ہیں کہ باب اہل جاہلیت کے تعدیۂ امراض سے متعلق اعتقاد (فعل کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا) کی نفی کے بیان میں (۱۲۶) اس کے بعد والے باب کا عنوان یوں باندھتے ہیں: باب اس بات کے بیان میں کہ بیمار اونٹ کو تن درست اونٹوں میں نہ لایا جائے، کیوں کہ کبھی اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے بیمار اونٹ کے تندرست سے ملنے سے اس کو مرض لاحق کر دیتا ہے۔ نبی کریمﷺ کا ارشاد گرامی: **فان من القرف التلف** (مرض کے دوام کی وجہ سے ہلاکت ہوتی ہے۔) نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: ابوسلیمان نے کہا کہ اس بات کا تعلق طب کے باب سے ہے کیوں کہ اطبا کے نزدیک ہواؤں کا فساد بدن کو مریض بنانے کے نہایت تیز اور نقصان دہ عناصر میں سے ہے۔ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ نبی کریمﷺ کے فرمان: **اذا سمعتم به فی ارض فلا تقدموا علیه** (اب تم طاعون کے بارے میں سنو کہ کسی سرزمین میں پھوٹ پڑا ہے تو وہاں مت جاؤ۔) کی نظیر ہے، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادے سے ہوتا ہے اور کوئی قوت وہمت بہ جز اللہ کی مرضی کے ممکن نہیں ہے۔ (۱۲۷)

حافظؒ فرماتے ہیں کہ یہی اکثر شافعیہ کا قول ہے اور ابن صلاحؒ (۱۲۸) بھی اسی کے قائل ہیں، نیز زین عراقی نے بھی اپنی الفیہ میں اس کو اختیار کیا ہے۔ (۱۲۹) مولانا زکریا کاندھلویؒ ۔ تور بشتی کا فرمان نقل کرتے ہیں: دوسرا قول اولیٰ ہے، کیوں کہ پہلے قول کو ماننے سے اسباب اور فطرت کے اصولوں کی نفی لازم آتی ہے۔ حال آں کہ شریعت ان کا اثبات کرتی ہے نہ کہ نفی۔ (۱۳۰) مالکی فقیہ مواقؒ فرماتے ہیں: حدیث **لاعدوی** کے ذریعے جاہلیت کے اس گمان کی تردید کی گئی ہے کہ مرض خود سے متعدی ہوتا ہے نہ کہ اللہ کے فعل سے، اور حدیث **لا یورد ممرض علی مصح** کے ذریعے ایسے افعال سے بچانا مقصود ہے جو اگر پائے جائیں تو اللہ کے فعل اور ارادے سے نقصان کا موجب بن جاتے ہیں، یہی جمہور علماء کا صحیح مذہب ہے اور اسی پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔ (۱۳۱)

حدیث لاعدویٰ کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مراد یہ ہے کہ اہلِ جاہلیت کا یہ اعتقاد باطل ہے کہ مریض تن درست کو بیمار کر دیتا ہے۔ یہاں اللہ کی تقدیر کی وجہ سے تن درست آدمی کے پاس مریض کے آنے کی وجہ سے مرض لاحق ہونے کی نفی نہیں کی گئی۔ (۱۳۲) ابن مفلح

چھوٹے مغصوب بچے کے حوالے سے لکھتے ہیں: اس بات کا احتمال ہے کہ اگر وہ طاعونی یا وبائی سرزمین کی طرف نکلا تو دیت لازم ہوگی اور اگر نہ نکلا تو لازم نہ ہوگی اور میرے نزدیک ایسا نہیں۔(۱۳۳)

تعدیۂ مرض کی نفی، کے اس معنی کے قائل امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ بھی ہیں (۱۳۴) اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اس کو کچھ تفصیل سے بیان کیا ہے۔(۱۳۵)

مذکورہ اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ طبی پہلو سے مرض کے منتقل ہونے کا اثبات اور تعدیۂ مرض کی نفی کو طبیعی سبب سے ماورا قرار دینے کے اعتقاد پر محمول کرنا اسلامی فکر میں کوئی اجنبی چیز نہیں ہے، اور یہ رائے جدید سائنس اور انکشافات سے مرعوبیت کا نتیجہ نہیں ہے، بل کہ اس کے قائل متعدد علماء ہیں۔

اس رائے کی تقویت شام میں انتشارِ طاعون کے زمانے میں حضرت عمرؓ کے مذکورہ موقف سے بھی ہوتی ہے کہ آپؓ نے پہلے شام میں طاعون پھیلنے کے متعلق سنا تو آپ اس وقت تک نہیں نکلے جب تک اس کے ختم ہوجانے کا علم نہیں ہوگیا، لیکن جب وہ شام کے قریب پہنچے تو آپ کو اطلاع ہوئی کہ وبا اپنے جوبن پر ہے تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔(۱۳۶) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جن حضرات نے آپ کو واپسی کا مشورہ دیا انہوں نے کہا: آپ کے ساتھ باقی لوگ اور اصحاب رسول ﷺ ہیں۔ آپ ان کو اس وبا کے حوالے نہ کریں۔(۱۳۷) جب حضرت عمرؓ نے واپسی کا ارادہ کیا تو ابوعبیدہ بن جراحؓ نے کہا: ''کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟'' تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اے ابوعبیدہؓ! کاش یہ بات تیرے بہ جائے کوئی اور کہتا! جی ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر تمہارے پاس اونٹ ہوں اور تم کسی وادی میں اترو، جس میں دو میدان ہوں، جن میں سے ایک تو سرسبز وشاداب ہو اور دوسرا خشک، کیا یہ واقعہ نہیں کہ اگر تم سرسبز میدان میں چراتے تو بھی تقدیر الٰہی سے؟ اور اگر خشک میدان میں چراؤ گے تو بھی تقدیر الٰہی کی وجہ سے؟''(۱۳۸)

ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا شام سے لوٹنا عقیدے کی حفاظت یا تعدیۂ مرض کے عقیدے کی نفی کے لئے نہ تھا، جیسا کہ پہلے قول کے قائلین نے طاعون زدہ شہر میں داخل ہونے اور مریض کے قریب ہونے کی نفی والی احادیث کی تفسیر کی ہے۔ بل کہ اصل میں آپؓ کا لوٹنا سبب ظاہری کو اختیار کرتے ہوئے طاعون سے بچنے کے لئے تھا، آپؓ کے نزدیک وبازدہ شہر میں

داخل ہونے سے مرض لاحق ہونے کا نقطۂ نظر اسلامی عقیدے یا کسی دینی اصول کے منافی نہیں تھا۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

> حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا واپسی سے مقصود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے بچانا تھا، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی آدمی کسی گھر میں داخل ہونا چاہتا ہو لیکن وہاں اسے آگ شعلہ زن نظر آئے جس سے بچنا ممکن نہ ہو تو وہ اس کے ڈر سے پیچھے ہٹ جائے۔ حضرت عمرؓ کا پیچھے ہٹنا ایسے ہی تھا۔ (۱۳۹)

اس کی تائید حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔ (۱۴۰) کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طاعون سے بھاگنے ولا، میدانِ جہاد سے بھاگنے والے کی طرح ہے، اور اس میں صبر کرنے والے کے لئے شہید کا اجر ہے۔ منذری کہتے ہیں: اس حدیث کو احمد، بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے، اور احمد کی سند حسن ہے۔ (۱۴۱) ہیثمی کہتے ہیں: احمد کے رجال ثقہ ہیں۔ (۱۴۲) یہی معنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ (۱۴۳) طاعون سے فرار اختیار کرنے والے کو میدانِ جنگ سے بھاگنے والے سے تشبیہ دینا یہ بات بتاتا ہے کہ طاعون زدہ جگہ پر رہنے سے مرض لاحق ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے، جس طرح میدانِ جنگ میں ٹکے رہنا موت کا ظاہری سبب بن سکتا ہے۔ اگر چہ سب کچھ اللہ کی تقدیر ہی سے ہوتا ہے، وگرنہ اس صبر و استقامت پر اجر کا وعدہ نہ ہوتا۔

کیا حضرت عمرؓ شام سے لوٹنے پر نادم تھے؟

بحث کے دوسرے نقطۂ پر گفت گو سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سوال پر بھی روشنی ڈال لی جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، طاعون کے وقت شام سے لوٹنے پر نادم تھے۔ جیسا کہ ابن عبدالبر اور دیگر حضرات نے ذکر کیا ہے۔ (۱۴۴) لیکن آپؓ کی اس ندامت کی حقیقت مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتی ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شام سے لوٹنے کا ذکر ہے۔ اس میں آیا ہے:

> پس آپؓ مدینے کی طرف لوٹے اور وہ رات بسر کی اور میں آپؓ کے بہت قریب تھا۔ جب آپؓ اٹھے تو میں بھی آپؓ کے ساتھ اٹھ گیا اور آپؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں شام کے قریب پہنچ گیا تھا تو وہاں طاعون کی موجودگی کی وجہ سے مجھے واپس لوٹا

دیا گیا۔ سن لو کہ نہ وہاں لوٹ آنا میری موت کو موخر کر سکتا ہے اور نہ وہاں جانے سے مجھے جلد موت آسکتی ہے، سن لو کہ اگر میں مدینے آتا اور اپنی ضروری حاجتوں کو پورا کر لیتا تو میں پھر چل کر شام پہنچ جاتا اور حمص میں ٹھہرتا، کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن وہاں سے ستر ہزار افراد کو اٹھائے گا جن پر کوئی حساب و عذاب نہ ہوگا۔ ان کا اٹھایا جانا زیتون اور نرم زمین (۱۴۵) کے درمیانی حصے سے ہوگا۔ (۱۴۶)

ہیثمی نے اس واقعے کو احمد کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: اس میں ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (۱۴۷) حاکم نے مستدرک میں تابع سند کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے جس میں محمد بن ولید زبیدی ابوبکر بن عبداللہ ہے۔ حاکم کہتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا ہے۔ لیکن امام ذہبیؒ اس کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں: بل کہ یہ روایت منکر ہے اور یہاں اسحٰق سے مراد ابن زریق ہے جس کو محمد بن عوف الطائی نے جھوٹا کہا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں: وہ کسی شمار کے قابل نہیں، اور نسائی کہتے ہیں کہ ثقہ نہیں ہے۔ (۱۴۸) اس سے معلوم ہوا حضرت عمرؓ کی ندامت کی روایت ضعیف ہے اور وہ صحیح بخاری کی اور دیگر محدثین کی اس روایت کے متضاد ہے جس میں آیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کیا تو عبدالرحمٰن بن عوف موجود نہ تھے۔ جب وہ آئے تو حضرت عمرؓ کو نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان سنایا:

اذاسمعتم بہ بأرض فلاتقدموا علیہ واذاوقع بأرض وأنتم بھا فلا تخرجوا فراراًمنہ

جب تم کسی سرزمین سے متعلق سنو کہ وہاں طاعون پھوٹ پڑا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب تمہاری سرزمین میں پھوٹ پڑے تو وہاں سے راہِ فرار مت اختیار کرو۔

اس میں یہ الفاظ بھی ہیں **فحمداللہ عمرؓ ثم انصرف** اس پر حضرت عمرؓ نے اللہ کی ثنا کی اور واپس لوٹے۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت عمرؓ نے نبی کریم ﷺ کے قول سے اپنی بات کے موافق ہونے پر اظہارِ مسرت کیا۔ جو بات حدیث نبوی ﷺ کے موافق تھی، اس پر وہ کیسے نادم ہو سکتے تھے؟ اور اگر حضرت عمرؓ کی طرف منسوب بات کو صحیح مان بھی لیا جائے تو پھر وہ اس بات پر محمول ہوگی کہ آپؓ کا رجوع مشورے کے بعد طے شدہ بات سے نہ تھا، بل کہ یہ ندامت اصل میں

طاعون کی وجہ سے موعودہ شہادت سے محرومی پر اظہارِ افسوس اور اس کے حصول کی تمنا تھی۔ یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس برکت پر افسوس ہے جو آپ کو شام جانے کی صورت میں حاصل ہوتی۔ خاص طور پر ان مواقع میں نہ جاسکنے پر جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے روزِ قیامت ایسے لوگوں کو اٹھایا جائے گا جن پر کوئی حساب و کتاب نہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی آرزو کی کہ کاش ایسی جگہ پر پہنچ جاتا یا وہاں موت آجاتی، یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اہلِ بصرہ میں سے کسی کو کہا تھا کہ وہ مسجدِ عشار میں ان کے لئے دو یا چار رکعت ادا کردے، کیوں کہ آپؓ نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا:

ان اللہ یبعث من مسجد العشار یوم القیامۃ شھداء لایقوم مع شھداء بدر غیرھم (۱۴۹)

اللہ تعالیٰ روزِ قیامت مسجد عشار سے ایسے شہدا کو اٹھائے گا جن کے علاوہ شہدائے بدر کے ساتھ کوئی بھی کھڑا نہ ہوگا۔

رہی وہ روایت جس کو طحاوی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

اللھم ان الناس یخلون ثلاث خصال وأنا أبرأ الیك منھن، زعموا أنی فررت من الطاعون وأنا أبرأ الیك من ذٰلك... (۱۵۰)

یا اللہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں تین باتوں کو جائز سمجھتا ہوں، حال آں کہ میں تیرے سامنے ان سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ ان کا خیال ہے کہ میں نے طاعون سے فرار اختیار کیا، میں تیرے سامنے اس سے اظہارِ برأت کرتا ہوں۔

تو بات یہ ہے کہ طاعون سے فرار ایک الگ معاملہ ہے اور راستے سے لوٹ آنا الگ بات ہے، کیوں کہ فرار نبی کریم ﷺ کے فرمان: ''جب تم طاعون کے بارے میں سنو کہ کسی زمین میں پھوٹا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی سرزمین میں پھوٹ پڑے تو وہاں سے راہِ فرار مت اختیار کرو'' کے منافی ہے، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا راہ سے واپس ہونا اسی حدیث کے پہلے حصے سے مطابقت رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ نے واپسی پر ندامت کی ایک اور توجیہہ بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

یہاں اس بات کا احتمال ہے (اور یہ بات آپ کی ندامت کا سب سے بڑا سبب بھی ہوسکتی ہے۔) کہ آپ مسلمانوں کے کسی ضروری کام سے نکلے ہوں لیکن جب آپ مطلوبہ شہر کے قریب پہنچے تو واپس لوٹ آئے حال آں کہ آپ کے لئے اس شہر کے قرب وجوار ہی قیام کرنا بھی ممکن تھا جب تک کہ طاعون ختم ہوتا اور آپ اس میں جاکر مسلمانوں کا کام نبھاتے، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس شہر سے طاعون جلد ہی ختم ہوگیا تھا۔ آپ کو اس کی خبر پہنچی ہوگی اس لئے آپ وہاں سے واپس ہونے پر نادم ہوئے، اور یہ ندامت مطلقاً لوٹنے پر نہ تھی بل کہ آپؓ کا خیال یہ تھا کہ انتظار کر لینا بہتر ہوتا، کیوں کہ آپ کے ہم سفر لشکر کی طرف لوٹنے میں مشقت تھی۔ حدیث میں لوٹنے کا حکم نہیں ہے بل کہ طاعون زدہ شہر میں جانے سے نہی ہے۔ واللہ اعلم

طاعون زدہ شہر میں داخل ہونے کی نہی میں حکمت

نبی کریم ﷺ کے فرمان ''جب تم کسی سرزمین میں طاعون کا سنو تو وہاں مت جاؤ'' میں جو حکمت ہے، اس کے بارے میں علما کے مختلف اقوال ہیں جن میں بعض یہ ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے یہ نہی سدِّ ذریعہ کے لئے فرمائی ہے کہ اگر کوئی اس میں چلا جائے اور اسے طاعون لاحق ہوجائے تو وہ تعدیہ مرض کا قائل ہوجائے گا، حال آں کہ اس کی نفی ہے۔ اسی لئے بعض علما نے کہا ہے کہ جس آدمی کا توکل مضبوط اور یقین درست ہو وہ اس شہر میں جاسکتا ہے لیکن اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا لوٹ آنا تو اس قبیل سے نہ تھا (جیسا کہ گزرا) اس کے باوجود جب ان کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے یہ حدیث بتائی تو آپؓ نے اس کو اپنے فیصلے واپسی کے موافق پایا، اسی پر خوش ہوئے اور اللہ کی ثنا کی۔

۲۔ آپ ﷺ نے یہ نہی نزول بلا کے وقت اللہ کے غضب اور صبر کے مفقود ہوجانے کے خوف سے فرمائی۔ (۱۵۲)

۳۔ ایسی جگہ جانے میں ایک طرح کے صبر وتوکل کا ادّعا پایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے غرور ودعوائے نفس سے بچنے کے لئے یہ نہی فرمائی، کیوں کہ آزمائش کے وقت یہ ادعا ختم ہوجایا کرتا ہے۔ یہ قول حافظ نے ابن دقیق العید سے نقل کیا ہے۔ (۱۵۳)

۴۔آلام وامراض کے عام ہونے سے کرب اور خوف پیدا ہوتا ہے، اور یہ چیز دینی امور میں کوتاہی کا باعث ہوتی ہے، اس لئے یہ نہی کی گئی۔

۵۔طاعون زدہ شہر میں داخلے سے نبی کریم ﷺ نے اس لئے منع فرمایا کہ ممکن ہے یہ اس کے لاحق ہونے کا سبب ہو جائے اور ایسا اقدام اپنے آپ کو خطرے اور ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے جو کہ شرعاً ممنوع ہے، ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: واللہ اعلم میرے نزدیک اس حدیث میں دھوکے میں پڑنے اور جان کو خطرے میں ڈالنے سے نہی ہے، کیوں کہ بہ ظاہر غالب یہی ہے کہ وبائی سرزمین میں جانے والا مرض سے کم ہی بچ پاتا ہے، اس لئے اس سے نہی کی گئی کیوں کہ اموات وآلام نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔(۱۵۵) قرافیؒ فرماتے ہیں: اور باجیؒ کا کہنا ہے کہ آدمی وبا کے قریب نہ جائے کیوں کہ یہ تغریر بالنفس (نفس کو دھوکے میں ڈالنا) ہے۔(۱۵۶) قرطبیؒ نے اس کو ذرا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا حضرت ابوعبیدہؓ کے ساتھ شام جانے کا قصہ معروف ہے، اس میں یہ بات بھی ہے کہ آپؓ لوٹ آئے تھے۔ طبریؒ کہتے ہیں: حدیثِ سعدؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصائب کے نزول اور خوف ناک چیزوں کی آمد سے پہلے آدمی کو ان سے بچنا لازم ہے اور جب ان کا سامنا ہو جائے تو صبر کیا جائے اور جزع فزع نہ کی جائے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے وبائی سرزمین میں داخل ہونے اور وہاں سے نکلنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح ہر قابل احتراز مصیبت کا حکم بھی لازمی طور پر طاعون والا ہی ہوگا۔ اور یہ معنی نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی نظیر ہے:

لاتتمنو القاء العدو وسلوا الله العافية فاذا لقيتموهم فاصبروا

تم دشمن کا سامنا کرنے کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو لیکن جب اس سے مڈبھیڑ ہو جائے تو پھر صبر کرو۔

میرے نزدیک یہ بات اس باب میں صحیح ترین ہے۔ یہی آپ ﷺ کے قول کا مقصود ہے اور اسی پر صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کا عمل رہا ہے۔ چناں چہ حضرت ابوعبیدہؓ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ تو انہوں نے جواباً کہا: ''اے ابوعبیدہؓ! کاش کہ یہ بات آپ کے علاوہ کوئی اور کہتا۔ جی ہاں! ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔'' مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اچھی یا بری تقدیر سے بچنا انسان کے بس میں نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم کو مہلک اور خوفناک چیزوں سے بچنے اور مکروہات سے حتی المقدور اجتناب

برتنے کا حکم دیا ہے۔ پھر آپؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ سے کہا: ''آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر آپ کے پاس اونٹ ہو اور آپ ایک ایسی وادی میں اتریں جس کا ایک حصہ زرخیز ہو اور ایک بنجر ہو، آپ اگر زرخیز حصہ میں اونٹ کو چرائیں تو یہ اللہ کی تقدیر سے ہوگا اور اگر بنجر میں چھوڑیں تو یہ بھی اللہ کی تقدیر ہی سے ہوگا۔'' چناں چہ حضرت عمرؓ اس جگہ سے مدینہ لوٹ آئے۔ کیا طبری کہتے ہیں: اس بارے میں کسی کا اختلاف ہمارے علم میں نہیں ہے کہ اگر کفار یا راہزن کسی کم زور شہر پر ٹوٹ پڑیں اور اس کے باسیوں کو ان کا سامنا کرنے کی طاقت نہ ہو تو انہیں ان کے راستے سے ہٹ جانا چاہئے، اگر چہ اجل میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ (۱۵۷) یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات اور تعدیہ مرض کے بارے میں ہماری وضاحت کے بالکل موافق ہے، اس لئے اس پر اعتماد کرنا چاہئے اور اس نہی کی حکمت میں اسی کو اصل مانتے ہوئے اس کے علاوہ اس سے موافقت رکھنے والے اقوال کو قبول کرنا چاہئے۔

طاعون کے شہر سے نکلنے سے ممانعت کی حکمت

طاعون زدہ شہر سے نکلنے سے نہی کے متعلق علما نے مختلف حکمتیں ذکر کی ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

ا۔ ہم نے علامہ قرطبیؒ کے حوالے سے (۱۵۸) نقل کیا ہے کہ یہ بات ممکن ہے کہ ابتلائے عام کی وجہ سے کسی جگہ کے افراد میں بڑی حد تک مرض نفوذ کر چکا ہو تو اب ایسے افراد کو وہاں سے فرار کا فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ سفری مشقیں اس ابتدائی مرض میں اضافہ کا باعث ہو سکتی ہیں جس کے نتیجے میں نقصان و آلام بڑھ سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے ایسے آدمی کو بیکٹر یا لاحق ہو چکے ہوں لیکن ابھی ان کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں اور یہ بیکٹر یا ابھی وقفۂ حضانت میں ہوں۔ حافظؒ نے لکھا ہے کہ جس جگہ طاعون پھوٹتا ہے تو وہاں عام ہو جاتا ہے، اس کے نتیجے میں اس کے اسباب اس جگہ کے باسیوں میں نفوذ کر جاتے ہیں، اسی لئے ان کو بھاگنے کا چنداں فائدہ نہیں کیوں کہ مفسدہ جب متعین ہو جائے اور اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو فرار اختیار کرنا بے کار ہوگا اور کسی عقل مند آدمی کو زیب نہیں دیتا۔ (۱۵۹) اسی سے ملتی جلتی وہ بات ہے جو حافظؒ نے بعض اطبا سے نقل کی ہے کہ جس جگہ وبا پھوٹتی ہے تو اس کے رہنے والوں کے مزاج وہاں کی ہوا کے موافق اور مانوس ہو جاتے ہیں اور وہ ہوائیں ان کے لئے ایسے ہوتی ہیں جیسے دوسرے لوگ

کے لئے صحیح اور صاف ہوائیں (۱۶۰) گویا وہ اس مکان میں ایسے ہو جاتا ہے کہ اس کو حفاظتِ مرض کا انجکشن لگا دیا گیا ہو اس لئے جراثیم اس کو نقصان نہیں دے سکتے۔

۲۔ شہر سے نکلنے کی ممانعت اعتقاد کی حفاظت کے لئے ہے، کیوں کہ اگر وہ فرار اختیار کرے اور اللہ کی تقدیر کی وجہ سے مرض سے بچ جائے تو شاید یہ یقین کرلے کہ وہ اس نکلنے اور فرار اختیار کرنے کی وجہ سے بچا ہے، اس سے اس کا عقیدہ خراب ہو جائے گا۔ (۱۶۱)

۳۔ طاعون کی جگہ پر ٹھہرے رہنا اللہ کی تقدیر پر راضی رہنے اور اس کے آگے سرافگندہ ہونے کی علامت ہے اور وہاں سے فرار اختیار کرنا اسباب پر اندھا بھروسہ کرنے کے مترادف ہے، اور یہ بات شرعاً پسندیدہ نہیں ہے، کیوں کہ کسی بھی چیز میں غلو کرنا مذموم ہے۔ جس طرح اسباب سے بے پرواہی میں غلو برا ہے ایسے ہی ان کو بے مبالات اختیار کرنا بھی برا ہے، خاص طور پر جب کہ ان سے مفاسد وابستہ ہوں، جن کو ہم آنے والے نمبرز کے تحت ذکر کریں گے۔

حافظ نے ابن ابی جمرہؒ سے نقل کیا ہے: ''نبی کریم ﷺ کے فرمان **فلا تقدموا علیه** (ایسے شہر میں نہ جاؤ) میں تقدیر سے معارضے کی پُر حکمت مخالفت ہے، اور یہ اللہ کے فرمان **و لا تلقوا بایدیکم الیٰ التهلکة** (اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کی طرح ہے۔ اور آپ ﷺ کے فرمان **فلا تخرجوا فرارا منه** (اس سے فرار اختیار کرتے ہوئے نہ نکلو) میں مقدر پر راضی رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ نیز فرمایا: بلا جب اترتی ہے تو اس کا مقصود وہ جگہ نہیں ہوتی، اس کے لوگ ہوتے ہیں، لہٰذا اللہ جس کو مبتلا کرنا چاہے گا وہ اس میں ضرور مبتلا ہوگا، خواہ وہ جہاں بھی جائے، اس لئے شریعت نے اس کو ہدایت کی کہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو تھکائے نہیں کیوں کہ وہ اس کو ٹال نہیں سکتا۔ (۱۶۲)

اس کے بعد حافظؒ نے شیخ تقی الدین ابن دقیق العیدؒ سے نقل کیا ہے: ''ان دونوں کو جمع کرنے کے حوالے سے میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ ایسے شہر کی طرف جانے میں اپنے آپ کو حوالۂ مصیبت کرنا ہے اور ممکن ہے کہ وہ اس پر صبر نہ کر سکے، نیز اس میں صبر و توکل کا ادعا بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے نفس کے غرور وادعا کے ڈر سے یہ ممانعت کی گئی کیوں کہ وہ آزمائش کے وقت باقی نہیں رہتا اور فرار سے منع اس لئے کیا گیا کہ اس کا تعلق اسباب پر اندھے بھروسے کے ساتھ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص مقدور بھر نجات کے لئے ہاتھ پاؤں مارے، تو شارع نے ہم کو دونوں حالتوں میں ترکِ تکلف کا حکم دیا ہے۔ اسی قبیل سے ہے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ تم دشمن سے

ملنے کی تمنا نہ کرا اور جب اس کا سامنا ہو جائے تو صبر اختیار کرو، تو آپ ﷺ نے ایسی چیز سے منع فرمایا جس میں مصیبت کا سامنا اور غرورِ نفس کا خوف ہے۔، کیوں کہ مبتلائے مصیبت ہونے پر نفس کا دھوکا سامنے آ سکتا ہے۔، اور پھر مرض میں مبتلا ہونے پر صبر کا حکم دیا کہ اللہ کے امر کے آگے سر تسلیم خم ہو۔ (۱۶۳)

۴۔ یہ نہی اُن بیماروں کی مصلحت کے پیشِ نظر ہے، جن کے پاس کوئی جائے پناہ نہیں ہوتی۔ اگر تن درست لوگ ان کے پاس سے چلے جائیں گے تو ان کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔، نیز اگر کوئی مریض دوسری جگہ چلا جائے گا تو شاید پیچھے بے خانماں مریض بھی ہوں اور چلنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ بعض مریضوں کے چلے جانے میں ان کم زوروں کی دل شکنی اور تکلیف ہے اور ان شکستہ خاطر انسانوں کی حالت ان کی صحت یابی پر منفی اثر مرتب کر سکتی ہے۔

۵۔ یہ نہی اس لئے ہے کہ فرار اختیار کرنے والے جہاں جائیں گے وہاں کے لوگ حرج میں پڑ جائیں گے، کیوں کہ جب وہ سوچیں گے کہ یہ لوگ طاعون زدہ جگہ سے آئے ہیں اور مرض سے متاثر ہوں گے تو اس سے وہ اضطراب اور پریشانی میں پڑ جائیں گے۔ (۱۶۴)

۶۔ بعض معاصرین نے اس کی ایک اور توجیہ بیان کی ہے، جس کا مدار جبری حراست (قید طبی)(Quarantine) پر ہے۔ ان کا کہنا ہے: لوگوں کو طاعون زدہ جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے ممانعت، طاعون کے دوسری جگہوں پر پھیلنے کے خدشے کے باعث ہے۔ (۱۶۵) لیکن یہ بات نمونیائی طاعون (Pneumonic Plague) اور عفونتی طاعون (Septicemic Plague) کے بارے میں تو درست ہے کیوں کہ یہ بات ثابت ہے کہ یہ دونوں ایک فرد سے دوسرے فرد کو منتقل ہوتے ہیں، لیکن غدودی طاعون (جو طاعون کی سب سے زیادہ پھیلنے والی قسم ہے) انسان کو پسوؤں کے واسطہ سے لگتا ہے۔ ایک انسان سے دوسرے انسان میں طاعون کی منتقلی کا ثبوت صرف پہلی دو اقسام ہی میں ہوا ہے۔ (۱۶۶)

میرے علم کے مطابق قدیم علما میں سے کسی نے اس حکمت کو ذکر نہیں کیا، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ انتشارِ طاعون کے سبب سے متعلق ان کو اتنی تفاصیل دست یاب نہ تھیں اور وہ ہوا ہی کو اس کے پھیلنے کا سبب گردانتے تھے۔ ان میں سے اکثر حکمتوں کا حاصل یہ ہے کہ اس نہی سے مقصود طاعون زدہ جگہ سے نکلنے اور مرض و موت سے نجات پانے کے درمیان سببیت کے تعلق کی نفی نہیں ہے، بل کہ ممکن ہے کہ یہ نکلنا مرض سے نجات کا ظاہری سبب ہو بایں طور کہ نکلنے والا ابھی بیکٹر یا

سے متاثر نہ ہوا ہو، اور کئی جگہ میں بیکٹر یا موجود نہ ہوں، لیکن یہ سببیت غیر واضح ہے اور قطعی نہیں ہے۔ایک حکمت یہ ہے کہ اس جگہ سے فرار اختیار کرنے والے کے لئے ممکن ہے کہ بڑی حد تک مرض اس میں نفوذ کر چکا ہو اگر چہ ابھی اس کی علامات ظاہر نہ ہوئی ہوں، اب اس کو فرار فائدہ نہ دے گا۔

ایک حکمت یہ ہے کہ اگر چہ اس کائنات کے امور اسباب کے تحت ہی انجام پاتے ہیں لیکن ان کی تدبیر کرنے اور بروئے کار لانے والی ذات اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی ہے اور اللہ اس پر قادر ہے کہ کسی کو جائے انتقال ہی میں مبتلائے مرض کر دے جس سے اس نے فرار اختیار کیا تھا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور امر کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔اگر فرار سے کوئی مرض سے بچ بھی جائے تو موت سے تو نہیں بچ سکتا، کیوں کہ

أينما تكونوا يدرككم الموت ولو كنتم في بروج مشيدة

تم جہاں بھی ہوئے موت تم کو آ کر رہے گی، اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں ہی ہو۔

پس جائے وبا سے بھاگنا مرض سے بچنے میں کسی حد تک موثر ہے، لیکن یہ تاثیر کم زور ہے، قطعی نہیں ہے۔دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اس فرار سے مفاسد پیدا ہوتے اور کئی مصلحتیں فوت ہو جاتی ہیں۔اگر فرار کا موثر ہونا قطعی ہوتا تو ان مفاسد کے لازم ہونے اور مصالح کے فوت ہونے سے صرف نظر کرنے کی کوئی اہمیت ہوتی اور اگر فرار اختیار کرنے سے مفاسد لازم نہ آتے اور مصلحتیں فوت نہ ہوتیں تو مرض سے سلامت رہنے میں، اس کی کم زور تاثیر کے باوجود شریعت اسلامی اس سے منع نہ کرتی، کیوں کہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ مشکل ترین مواقع میں بھی اسباب (خواہ وہ کتنے کم زور ہی کیوں نہ ہوں) کے بل بوتے پر کھڑا رہتا ہے، جیسا کہ مثل مشہور ہے: ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، لیکن یہ دانش مندی نہیں ہے کہ ضعیف اوہام واحتمالات کے پیچھے پڑ کر انسان یقینی نقصان مول لے اور فائدے کو چھوڑ دے۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے طاعون سے فرار کو میدانِ جنگ سے بھاگنے سے تشبیہ دی ہے، حال آں کہ یہ بات واضح ہے کہ بہ ظاہر میدان جنگ میں ٹھہرے رہنے میں ہلاکت کے جو امکانات ہیں وہ وہاں سے بھاگنے میں نہیں ہیں، اس لئے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ معرکہ سے فرار اختیار کرنا قتل سے بچنے کا کسی درجہ میں سبب ہے۔لیکن ان میں یہ باہمی تعلق کم زور ہے، یقینی نہیں، کیوں کہ کبھی انسان موت وقتل کے ایک سبب سے بھاگتا ہے لیکن

دوسری جگہ کسی اور سبب سے اسے موت آجاتی ہے:

قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت أو القتل واذا لا تمتعون الا قلیلا

آپ کہہ دیجئے! تمہیں بھاگنا نفع نہیں دے گا اگر تم بھاگنا چاہو موت سے یا قتل سے، اور (اگر تم بچ جاؤ بھی) تو تھوڑی مدت کے علاوہ (زیادہ) لطف اندوز نہ ہو سکو گے۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ فرار اختیار کرنے میں مسلمانوں کے لشکر کا نقصان ہے کیوں کہ اس سے ان کی ہمتیں پست، ارادے کم زور اور صفیں مضمحل ہوجاتی ہیں، اور دشمن کو جسارت کا موقع مل جاتا ہے۔ حافظؒ کہتے ہیں: ''علما فرماتے ہیں کہ میدانِ جنگ سے فرار کی وعید اس وجہ سے ہے کہ اس میں نہ بھاگنے والوں کی دل شکنی اور دھوکا دہی کے ذریعے انہیں رعب میں مبتلا کرنا ہے۔'' (۱۶۷) اس لئے شریعت نے اپنے آپ کو یا دوسروں کو کسی غیر واضح سبب کی بنا پر نقصان میں ڈالنے سے منع کیا ہے، چناں چہ اگر کسی آدمی کو (میدانِ جہاد کے بجائے) راہ زنوں سے مڈبھیڑ ہوگئی اور اس مقابلہ میں وہ مارا گیا تو شہید ہوگا کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

من قتل دون مالہ فھو شھید

جو کوئی اپنے مال کی خاطر مارا گیا تو وہ شہید ہے۔

لیکن اگر وہ ان سے فرار اختیار کرلے تو کوئی حرج نہیں ہے اگر چہ اس کی وجہ سے سلامتی کوئی یقینی بات نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کسی کا ضرر نہیں ہے۔ میدان جہاد سے فرار اور راہ زنوں کے ڈر سے بھاگنا، دونوں اس بات میں شریک ہیں کہ موت یا قتل سے بچنے کے یہ غیر قطعی سبب ہیں، لیکن پہلی صورت میں بعض مفاسد اور دوسروں کا ضرر ہے جب کہ دوسری صورت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، اس لئے دونوں کا حکم مختلف ہوگا۔ طاعون سے فرار اختیار کرنے کی مشابہت پہلی صورت کے ساتھ زیادہ ہے، اسی لئے دونوں ممنوع ہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ وبائی شہر سے نکلنے کی ممانعت، فرار اور مرض سے سلامتی کے درمیان تعلق کی مطلقاً نفی کے لئے نہیں ہے بل کہ اصل میں یہ نہی ایک تو اس وجہ سے ہے کہ فرار کا مرض سے بچنے کے ساتھ تعلق کمزور ہوتا ہے اور دوسرے اس لئے کہ فرار سے بعض مفاسد پیدا ہوتے اور اجتماعی مصالح فوت ہوجاتے ہیں، بل کہ اس کے برعکس معاملہ یہ ہے کہ وبائی جگہ پر مقیم رہنے میں جو اجر کا

وعدہ ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ ان دونوں میں سببیت کا کچھ تعلق ہے، اس لئے کہ اگر فرار کے مرض سے بچنے میں کچھ بھی کردار نہ ہوتا تو پھر وہاں ٹکے رہنے میں قربانی کا کوئی معنی نہیں ہوگا، پس اجر کا وعدہ اس وجہ سے ہے کہ وبا کی جگہ پر ٹھہرے رہنے میں اپنے آپ کو ایک طرح کے خطرے میں ڈالنا ہے جس کا مقصد ان اجتماعی مصالح کا حصول ہے جن کو شریعت نے فرد کے موہوم فائدوں پر معاشرے کے یقینی مصالح کو ترجیح دیتے ہوئے لازم کیا ہے، جیسا کہ معرکۂ جنگ میں استقامت دکھانے کا معاملہ ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا:

الصابر فيه له أجر شهيد

اس میں صبر کرنے والے کے لئے شہید کا اجر ہے۔

نہی تحریم کے لئے ہے یا تنزیہ کے لئے؟

پھر یہ نہی مطلق ہے یا بعض صورتوں کے ساتھ خاص ہے؟ حافظ ابنِ حجرؒ نے یہاں تین صورتیں بیان کی ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ فرار سے مقصود طاعون سے بھاگنا نہ ہو بل کہ کوئی اور غرض ہو، نہی کا تعلق اس صورت سے بالاتفاق نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فرار سے مقصود طاعون سے بھاگنا نہ ہو بل کہ کوئی اور غرض ہو، اس نہی کا تعلق اس صورت سے بالاتفاق نہیں ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اسے کوئی حاجت درپیش ہو جس کی وجہ سے نکلنا چاہے تاہم ضمناً یہ ارادہ بھی ہو کہ وبازدہ علاقے سے نکل کر راحت میسر ہو جائے گی، اس صورت میں اختلاف ہے۔ اس آخری صورت میں یہ بھی داخل ہے کہ وبازدہ سرزمین خراب ہو اور دوسری صحیح ہو اور وہ اس ارادے سے وہاں جانا چاہتا ہو، اس بارے میں اسلاف کی آرا مختلف ہیں۔ جن حضرات کے ہاں یہ ممنوع ہے وہ یہ دیکھتے ہیں کہ بس فرار کا وجود پایا گیا اور جن کے ہاں یہ جائز ہے ان کے نزدیک یہ صورت عمومی فرار سے مستثنیٰ ہے، کیوں کہ یہاں اس نے علاج کی نیت بھی کی ہے۔ (۱۶۹) تیسری صورت میں، اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ نہی تنزیہ کے لئے ہے یا تحریم کے لئے، حافظ ابن حجرؒ نے یہاں تین مذاہب ذکر کئے ہیں:

۱۔ خروج کا جواز، حافظؒ کہتے ہیں: قاضی عیاضؒ اور دیگر حضرات نے طاعون زدہ سرزمین سے نکلنے کا جواز صحابہؓ (جن میں ابوموسیٰ اشعریؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ شامل ہیں) اور تابعین (جن میں اسود بن ہلالؒ اور مسروقؒ بھی ہیں) کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔ (۱۷۰)

۲۔اس صورت میں نکلنے کی نہی تنزیہ پر محمول ہے۔(۱۷۱) مواقؒ التاج والاکلیل میں لکھتے ہیں کہ ابن رشد کا کہنا ہے کہ امام مالک کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لئے نہیں ہے۔(۱۷۲)

۳۔ایک جماعت کے ہاں نہی کی احادیث کے ظاہر کی بناپر، خروج حرام ہے۔ حافظؒ فرماتے ہیں کہ شافعیہ اور دیگر حضرات کے ہاں یہی راجح ہے۔(۱۷۳)

بندۂ ناچیز کے نزدیک خروج سے نہی کا امورِ تعبدیہ سے تعلق نہیں ہے۔ یہ نہی اس لئے ہے کہ اس سے بعض مفاسد لازم آتے اور اجتماعی مصلحتیں فوت ہوتی ہیں، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اب اس کراہت کا درجہ ان مفاسد کے پیدا ہونے اور اجتماعی مصالح کے فوت ہونے پر موقوف ہوگا۔ جس قدر مفاسد زیادہ ہوں گے اور مصالح اجتماعیہ کا نقصان زیادہ ہوگا، فرار سے نہی بھی اسی قدر سخت ہوگی اور اسی پر محمول کیا جائے گا حضرت عمرو بن العاصؓ کے اس اثر کو جس میں بتایا گیا ہے کہ جب شام میں طاعون پھیلا تو آپؓ کسی محفوظ سرزمین کی طرف نکلنا چاہتے تھے۔ اس پر بعض صحابہؓ نے خروج سے نہی والی حدیث کی بنیاد پر آپؓ سے اختلاف کیا تو آپؓ نے پہلے خاموشی اختیار کی لیکن بعض روایات میں آتا ہے کہ بعد میں آپ نے خروج کا عزم کرلیا اور لوگوں کو لے کر نکلے۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ بات پہنچی تو انہوں نے اس پر کوئی نکیر نہ کی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ان کے نزدیک اس میں عمومی مصلحت تھی اور مذکورہ مفاسد اس سے لازم نہیں آتے تھے، یا اگر ہوں بھی تو اس عمومی مصلحت کے آگے ان کی حیثیت زیادہ نہیں ہے کیوں کہ یہ خروج اجتماعی تھا اور اس میں ان مریضوں کی دل شکنی نہیں ہے جو پیچھے رہ جاتے ہیں، نیز یہ خروج غیر آباد جگہوں کی طرف تھا، اس لئے دیگر لوگوں کے نقصان کا اندیشہ نہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ وبا انتہائی شدت اختیار کر چکی تھی اور اس کی مثال ایسے ہی تھی جیسے میدان جہاد میں دشمن کی تعداد بے حد بڑھ جائے، اسی لئے حضرت عمرؓ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ امام احمد بن حنبلؒ نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اپنی قوم کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے جو اپنے والد کے مرنے کے بعد اپنی ماں کے پاس رہ گیا تھا اور طاعونِ عمواس کا عینی شاہد تھا، اس نے کہا کہ: جب حضرت ابوعبیدۃ بن جراح رضی اللہ عنہ کی تکلیف شدت اختیار کرگئی تو وہ لوگوں کے سامنے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، اور فرمایا لوگو! یہ تکلیف تمہارے رب کی رحمت، تمہارے نبی کی دعوت اور تم سے پہلے صالحین کی موت رہ چکی ہے، اور ابوعبیدہ اللہ سے دعا کرتا ہے کہ اسے اس میں سے اس کا حصہ عطا کیا جائے، چناں چہ اسی طاعون کی وبا میں وہ شہید ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ان کے بعد حضرت معاذ بن جبل

رضی اللہ عنہ نے ان کی نیابت سنبھالی اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، لوگو! یہ تکلیف تمہارے رب کی رحمت، تمہارے نبی کی دعوت اور تم سے پہلے صالحین کی موت رہ چکی ہے اور معاذ اللہ سے دعا کرتا ہے کہ آلِ معاذ کو بھی اس میں سے حصہ عطا کیا جائے، چناں چہ ان کے صاحب زادے عبدالرحمٰن اس مرض میں مبتلا ہو کر شہید ہو گئے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ کھڑے ہو کر اپنے لئے دعا کی، چناں چہ ان کی ہتھیلی میں بھی طاعون کی گلٹی نکل آئی۔ میں نے تو ان کو دیکھا ہے کہ وہ اس کو دیکھتے تھے اور اپنی ہتھیلی کی پشت کو چومتے جاتے تھے اور کہتے تھے: تیرے عوض مجھے پوری دنیا بھی مل جائے تو مجھے خوشی نہ ہوگی۔ ان کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان کے نائب مقرر ہوئے، انہوں نے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا: لوگو! یہ تکلیف جب آجاتی ہے تو آگ کی طرح شعلہ زن ہو جاتی ہے، اس لئے تم اس سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے پہاڑوں میں چلے جاؤ۔ یہ سن کر ابو وائلہ ہذلی کہنے لگے: آپ رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہونے کے باوجود صحیح بات نہیں کہہ رہے۔ بہ خدا! آپ میرے اس گدھے سے بھی زیادہ برے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں آپ کی بات کا جواب نہیں دوں گا، لیکن بہ خدا! ہم اس حالت پر نہیں رہیں گے، چناں چہ وہ اس علاقے سے نکل گئے، اور لوگ بھی نکل کر منتشر ہو گئے، اس طرح اللہ نے ان سے بیماری کو ٹالا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو یہ فیصلہ کرتے ہوئے دیکھنے والے کسی صاحب نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتائی تو انہوں نے اس پر کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہ کیا۔ (۱۷۴) بل کہ اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اسی موقف کے قائل تھے، چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اردن ایک فاسد اور جابیہ پاک سرزمین ہے، اس لئے مسلمانوں کو لے کر جابیہ چلے جاؤ۔ (۱۷۵) اغلب یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شام سے لوٹنے کے بعد کا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے طاعون زدہ شہر میں آنے اور جانے سے متعلق نہی کی حدیث سنی، کیوں کہ طحاوی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات سے کچھ پہلے پہنچا، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک خروج سے نہی مطلق نہ تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

حوالہ جات

۱۔دیکھئے: ابن حجر عسقلانیؒ۔ فتح الباری۔ دارالمعرفۃ، بیروت: کتاب الطب، باب مایذکر فی الطاعون۔ج ۱۰، ۱۸۰۔ابن منظور۔لسان العرب، مادۃ ''ط ع ن''۔محمد مرتضی الزبیدی۔ تاج العروس، مادہ ''طعن''

۲۔دیکھئے: Encyclopedia, Article:"Plague"

۳۔نووی۔تہذیب الاسماء واللغات۔دارالفکر، بیروت، ط ۱، ۱۹۹۶م: ج ۳، ۱۷۷

۴۔حیوانات قارضہ، یا قوارض (کتر کھانے والے جانور) ممالیہ جانوروں کی ایک قسم ہے جو دانتوں والے ہوتے ہیں اور کاٹ کر اور چبا کر کھاتے ہیں۔ان کے کاٹنے والے بڑے دانتوں میں ساری عمر اضافے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔اس کی معروف اقسام میں عام اور جنگلی چوہے شامل ہیں۔محمد شفیق غربال۔الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ۔داراحیاء والتراث العربی

۵۔محمد شفیق غربال۔الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ: مادۃ طاعون و Encyclopedia Britannica, (CD-Edition)Articale

۶۔نفس مراجع

۷۔نفس مراجع

۸۔Encyclopedia Encarta, Article,"Plague"

۹۔نفس مرجع

۱۰۔Christopher King: "Chasing the Plague Through the Centuries" an article included in Encyclopedia Encarta

۱۱۔ابن کثیر۔البدایۃ والنہایۃ۔المکتبۃ القدوسیۃ، لاہور، ط ۱، ۱۴۰۴ھ: ج ۷، ص ۷۸ و ۹۱

۱۲۔www.alasad.net

۱۳۔خالد محمود غزنوی۔سائنس کی بیماریاں اور علاج نبوی ﷺ۔الفیصل، لاہور، ط ۷، ۲۰۰۲ء: ۳۵۳

۱۴۔دیکھئے مثلاً تفسیر طبری۔دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ: ج ۲۳، ص ۷۰

۱۵۔Encyclopedia Encarta, Article,"Chasing the Plague

۱۶۔نفس مرجع وانسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا مادۃ: Plague

۱۷۔www.bbcarbic.com

۱۸۔الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ، مادۃ: طاعون

۱۹۔مسند احمد۔روایت عائشہ رضی اللہ عنہا۔موسسۃ قرطبۃ، مصر، رقم: ۲۵۱۶۱

۲۰۔Encarta:Plague

۲۱۔صحیح بخاری۔ دارابن کثیر، بیروت، ط۳، ۱۹۸۷م: رقم حدیث: ۶۵۷۲ کتاب الحیل، باب ما یکرہ من الاحتیال فی الفرار من الطاعون۔ نیز دیکھئے: صحیح مسلم۔ تحقیق: فؤادعبدالباقی۔ داراحیاء التراث العربی، بیروت: رقم: ۲۲۱۷اومابعدہ۔ تفسیر طبری: ج ۱، ۳۰۵۔ نسائی۔ السنن الکبری۔ دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۹۹۱ء: ج ۴، ص۳۶۲ رقم: ۷۵۲۳ ومابعدہ۔ طبرانی، المعجم الکبیر۔مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل، ط۲، ۱۴۰۴ھ: رقم ۲۷۶

۲۲۔صحیح البخاری: رقم: ۳۴۷۳ کتاب أحادیث الانبیاء، باب بعد حدیث الغار

۲۳۔صحیح مسلم: رقم: ۲۲۱۷

۲۴۔مرجع سابق: رقم ۲۲۱۸

۲۵۔تفسیر طبری: ج۱، ص۳۰۵

۲۶۔نسائی۔السنن الکبری: رقم ۷۵۲۴

۲۷۔سنن ترمذی۔ تحقیق أحمد محمد شاکر ودیگر۔ داراحیاء التراث، بیروت: کتاب الجنائز، باب ما جاء فی کراھیۃ الفرار من الطاعون، رقم: ۱۰۶۵

۲۸۔نسائی۔السنن الکبریٰ: رقم: ۷۵۲۵

۲۹۔فتح الباری: ج۱۰، ص۱۸۳

۲۹۔الف۔الاعراف: ۱۳۳۔۱۳۴

۳۰۔تفسیر طبری: ج۹، ص۴۰

۳۱۔فتح الباری: ج۱۰، ص۱۸۳

۳۲۔www.55a.net

۳۲۔الف ''قومی انگریزی اردو لغت'' میں روزیتالوح کی تعریف یوں کی گئی ہے۔: ''سنگِ سیاہ کی ایک لوح جس پر مصری، عبرانی، پروہتی اور یونانی زبان میں تین متوازی تحریریں کندہ ہیں۔ یہ سل مصر میں روزیتا (Rosetta) نامی جگہ کے قریب سے ۱۷۹۹ء میں برآمد ہوئی تھی اور اس نے شمپولیوں کے مصری خطِ تصویری کو سمجھنے اور پڑھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ آج کل یہ لوح برٹش میوزیم میں موجود ہے۔'' (مترجم)

۳۳۔مسند احمد: رقم ۱۹۵۴۶

۳۴۔فتح الباری: ج۱۰، ص۱۸۲

۳۵۔نفس مرجع

۳۶۔نفس مرجع

۳۷۔مسند أبي یعلی۔تحقیق حسین سلیم أسد۔دار المأمون للتراث، دمشق، ۱۹۸۷ء: رقم ۴۶۶۴
۳۸۔ابن حجر عسقلانیؒ۔المطالب العالیة۔دار المعرفة، بیروت: ج۹،ص ۱۷
۳۹۔ہیثمیؒ۔مجمع الزوائد۔دار الریان للتراث، القاہرة و بیروت، ۱۴۰۷ھ: ج۲،ص ۳۱۴
۴۰۔فتح الباری: ج۱۰،ص ۱۸۲
۴۱۔فیروز آبادی۔القاموس المحیط: ج۱،ص ۶۷۹
۴۲۔لسان العرب: ج۵،ص ۴۲۸
۴۳۔فتح الباری: ج۱۰،ص ۱۸۱
۴۴۔نفس مرجع
۴۵۔یہ بات ایک ویب سائٹ نے محمد علی البار (رکن قومی کالج برائے اطبا لندن) کی کتاب ''العدوی بین الطب وحدیث المصطفیٰ'' کے حوالے سے نقل کی ہے، اصل کتاب مجھے نہ مل سکی۔
۴۶۔سنن أبي داود مع شرح عون المعبود۔دار احیاء التراث العربي، ط۲، ۱۹۹۵ء: کتاب الأدب، باب فی اطفاء النار باللیل، رقم ۵۲۴۷
۴۷۔صحیح البخاری: کتاب الحیل، باب ما یکرہ من الاحتیال فی الفرار من الطاعون، رقم ۶۵۷۲
۴۸۔ویب سائٹ الجزیرة: ۵/۱۰/۲۰۰۴ء
۴۹۔www.bbcarabic.com19/02/2000
۵۰۔www.nooran.org/o/4/404.htm
۵۱۔www.bbcarabic.com19/02/2000
۵۲۔نفس مرجع
۵۲۔الف۔اصل لفظ تلقیح (Inoculation) ہے۔طب کی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی جسم میں وائرس یا بیکٹیریا داخل کرنا، تاکہ ہلکی سی بیماری پیدا کر کے اس بیماری سے مامونیت یا تحفظ دیا جا سکے۔(مترجم)
۵۳۔Encyclopedia Britannica,Article:"Quarantine"
۵۴۔نفس مرجع
۵۵۔نفس مرجع
۵۶۔نفس مرجع
۵۷۔صحیح بخاری: کتاب الحیل، باب ما یکرہ من الاحتیال فی الفرار من الطاعون، رقم ۶۵۷۳
۵۸۔www.heartdes.com
۵۹۔قرطبی۔الجامع لأحکام القرآن۔دار الشعب، القاہرة: ج۳،ص ۲۳۳

۶۰۔حدیث کے طرق کو ہم بعد میں ذکر کریں گے۔
۶۱۔صحیح بخاری: رقم ۵۳۹۹
۶۲۔فتح الباری: ج ۱۰،ص ۱۹۰
۶۳۔شرح الزرقانی علی الموطأ۔دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۱ھ: ج ۴،ص ۲۸۹
۶۴۔امام مالک۔الموطا۔تحقیق: محمد فواد عبدالباقی۔داراحیاء التراث، مصر: رقم ۱۵۸۲
۶۵۔صحیح بخاری: رقم ۱۷۸۱، ۵۳۹۹۔صحیح مسلم: رقم ۱۳۷۹۔مسند احمد: رقم ۷۲۳۳
۶۶۔مسند احمد: رقم ۸۹۰۴
۶۷۔نفس مرجع: رقم ۱۰۲۷
۶۸۔صحیح بخاری: رقم ۶۷۱۵۔سنن ترمذی: رقم ۲۲۴۲، باب ماجاء فی صفة الدجال۔مسند احمد: رقم ۱۲۲۶۶۔
مسند ابی یعلی: رقم ۳۰۵۱۔صحیح ابن حبان۔موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۲، ۱۹۹۳ء: رقم ۶۸۰۴
۶۹۔مسند احمد: رقم ۱۵۲۷۰
۷۰۔مسند الحارث، (زوائد الھیثمی)۔تحقیق: حسین احمد صالح۔مرکز خدمة السنة، المدینة المنورة، ط ۱،
۱۴۱۳ھ: باب ماجاء فی الطاعون، ج ۱،ص ۳۵۸
۷۱۔مسند ابی یعلی: رقم ۸۰۴
۷۲۔مسند احمد: رقم ۱۵۹۳۔الحاکم۔المستدرک علی الصحیحین۔دارالفکر، بیروت، ۱۹۷۸ھ: ج ۴،ص ۵۴۲
۷۳۔مسند بزار۔موسسۃ علوم القرآن، بیروت، ط ۱، ۱۴۰۹ھ: رقم ۲۶۱۶
۷۴۔مصنف عبدالرزاق۔تحقیق: حبیب الرحمٰن الاعظمی۔المکتب الاسلامی، بیروت، ط۲، ۱۴۰۳ھ: ج ۱۱،
ص ۱۴۸، رقم ۲۰۱۶۰
۷۵۔المطالب العالیة: ج ۱،ص ۳۷۰، رقم ۱۲۴۸
۷۶۔فتح الباری: ج ۱۰،ص ۱۹۰
۷۷۔مجمع الزوائد: ج ۳،ص ۳۰۹
۷۸۔فتح الباری: ج ۱۰،ص ۱۹۱
۷۹۔نفس المرجع: ج ۱۰،ص ۱۹۰۔شرح الزرقانی علی الموطأ: ج ۴،ص ۲۸۹
۸۰۔قتال کے طور پر ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں مذکورہ دوسالوں کے واقعات کے تحت اس کا ذکر نہیں کیا۔
۸۱۔صحیح ابن حبان: ج ۷،ص ۲۱۵
۸۲۔مصنف ابن ابی شیبة۔مکتبة الرشد، الریاض، ط ۱، ۱۴۰۹ھ: ج ۶،ص ۱۶۱
۸۳۔مجمع الزوائد: ج ۲،ص ۳۱۱
۸۴۔فتح الباری: ج ۱۰،ص ۱۹۳

۸۵۔صحیح بخاری: کتاب الطب، باب أجر الصابر علی الطاعون
۸۶۔مجمع الزوائد: ج۲،ص۳۱۰
۸۷۔صحیح ابن حبان: ج۷،ص۱۷۱رقم:۱۹۱۱
۸۸۔سنن ابن ماجہ، تحقیق: محمد فواد عبدالباقی، دارالفکر، بیروت: رقم ۲۴۰۴، باب أن الحد کفارة
۸۹۔مستدرک الحاکم: ج۱،ص۱۱۴
۹۰۔فتح الباری: ج۱۰،ص۱۹۲
۹۱۔نسائی، السنن الکبری: ج۳،ص۲۵، رقم ۴۳۷۲
۹۲۔مسند احمد: ج۴،ص۱۹۶، رقم ۱۷۷۸۹
۹۳۔نفسِ مرجع: ج۵،ص۲۴۸، رقم ۲۲۱۸۹
۹۴۔نفس مرجع
۹۵۔صحیح بخاری: کتاب الطب، باب أجر الصابر علی الطاعون، رقم ۵۴۰۲
۹۶۔نفس مرجع: کتاب الطب: باب لاصفر وهو داءٌ یأخذ البطن، رقم ۵۳۸۷
۹۷۔سنن ترمذی: کتاب الطب، باب ماجاء لاعدوی ولا هامة ولاصفر، رقم ۲۱۴۳
۹۸۔ابن جریر طبری۔تہذیب الآثار۔مطبعة المدنی، القاهرة: ج۳،ص۳
۹۹۔صحیح بخاری: کتاب الطب، باب الطیرة، رقم ۵۴۲۱
۱۰۰۔نفس مرجع: کتاب الطب، باب لاعدوی، رقم ۵۴۴۰
۱۰۱۔صحیح مسلم: رقم ۲۲۲۲۔تفسیر الطبری: ج۱۵،ص۵۱
۱۰۲۔سنن ابن ماجہ: کتاب الطب، باب من کان یعجبه الفال ویکره الطیرة، رقم ۳۵۳۹
۱۰۳۔ابن کثیرؒ تفسیر القرآن العظیم، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۱ھ (طباعت مذکور نہیں)، ج۴،ص۴۱۲۔ابنِ کثیر نے اس کو امام احمد کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا ہے: امام احمد اس کے روایت کرنے میں منفرد ہیں
۱۰۴۔صحیح ابن حبان: ج۱۳،ص۴۹۷، رقم ۶۱۲۷
۱۰۵۔تہذیب الآثار: ج۳،ص۱۱
۱۰۶۔نفس مرجع: ج۳،ص۲۴
۱۰۷۔طبرانی۔المعجم الکبیر: ج۸،ص۱۸۴
۱۰۹۔صحیح مسلم: رقم ۲۲۲۱
۱۱۰۔فتح الباری: ج۱۰،ص۲۴۲
۱۱۱۔سنن ابی داود: کتاب الطب، باب فی الطیرة، رقم ۳۹۲۳
۱۱۲۔بیہقی۔السنن الکبری، مکتبة دارالباز، مکة المکرمة، ۱۴۱۴ھ: ج۹،ص۳۴۷

۱۱۳۔صحیح بخاری: کتاب الطب، باب الجذام، رقم ۵۳۸۰
۱۱۴۔صحیح مسلم، رقم ۲۲۳۱
۱۱۵۔ابن ابی شیبۃ ۔المصنف: ج ۵، ص ۳۱۱
فتح الباری: ج ۱۰، ص ۱۵۹
۱۱۷۔ابن جریر طبری۔تہذیب الآثار: ج ۳، ص ۱۹
۱۱۸۔عبدالرزاق۔المصنف: ج ۱۱، ص ۲۰۵
۱۱۹۔فتح الباری: ، ج ۱۰، ص ۱۵۹
۱۲۰۔نفس مرجع
۱۲۱۔طحاوی۔شرح معانی الآثار، عالم الکتب، ط ۱، ۱۴۱۴ھ: کتاب الکراھۃ، باب الرجل یکون بہ الداء ھل یجتنب أم لا، رقم: ۷۰۳۹
۱۲۲۔فتح الباری: ج ۱۰، ص ۱۶۱
۱۲۳۔عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری۔تاویل مختلف الحدیث۔دارالجیل، بیروت، ۱۹۷۲ء: ج ۱، ص ۱۰۳
۱۲۴۔نفس مرجع
۱۲۵۔فتح الباری: ج ۱۰، ص ۱۶۱
۱۲۶۔بیہقی۔السنن الکبری: ج ۷، ص ۲۱۶
۱۲۷۔نفس مرجع: ج ۹، ص ۳۴۷
۱۲۸۔فتح الباری: ج ۱۰، ص ۱۶۱
۱۲۹۔محمد زکریا کاندھلوی۔أوجز المسالک الی موطأ مالک۔الکمتبۃ الامدادیۃ، مکہ مکرمۃ، ط ۳: ج ۱۴، ص ۴۰۶
۱۳۰۔أوجز المسالک: ج ۱۴، ص ۴۰۷
۱۳۱۔محمد بن یوسف العبدری المواق۔التاج والاکلیل لمختصر خلیل۔دارالفکر، بیروت، ط ۲، ۱۳۹۸ھ: ج ۴، ص ۴۳۱
۱۳۲۔نفس مرجع
۱۳۳۔ابوعبداللہ محمد بن مفلح۔الفروع۔دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۸ھ: ج ۶، ص ۵
۱۳۴۔دیکھئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغۃ، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور: ج ۲، ص ۱۹۴
۱۳۵۔دیکھئے رشید احمد گنگوھی۔الکوکب الدری علی جامع الترمذی۔ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراتشی، ۱۴۰۷ھ: ج ۲، ص ۱۷۷
۱۳۶۔دیکھئے فتح الباری: ج ۱۰، ص ۱۸۴
۱۳۷۔صحیح بخاری: کتاب الطب، باب مایذکر فی الطاعون، رقم: ۵۳۹۷
۱۳۸۔نفس مرجع

۱۳۹۔ فتح الباری: ج ۱۰، ص ۸۶
۱۴۰۔ مسند احمد: ج ۳، ص ۳۶۰، رقم: ۱۳۹۱۸
۱۴۱۔ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری۔ الترغیب والترھیب۔ دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۷ھ: ج ۲، ص ۲۲۲
۱۴۲۔ مجمع الزوائد: ج ۳، ص ۳۱۵
۱۴۳۔ دیکھئے الترغیب والترھیب: ج ۲، ص ۲۲۲
۱۴۴۔ ابن عبدالبر۔ التمھید لما فی الموطا من المعانی والاسانید۔ وزارۃ عموم الاوقاف، المغرب، ۱۳۸۷ھ: ج ۶، ص ۲۱۲۔ فتح الباری: ج ۱۰ ص ۱۸۷
۱۴۵۔ اصل میں عربی لفظ ''بسرث'' ہے، یعنی نرم زمین، اس کی جمع 'بسراث' ہے۔ اس سے مراد حمص کے قریب ایک زمین ہے جہاں شہدا اور صالحین کی ایک جماعت قتل ہوئی۔ ابوالسعادات مبارک بن محمد ابن اثیر۔ النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر۔ المکتبہ العلمیہ، بیروت، ۱۳۹۹ھ: ج ۱، ص ۱۱۲
۱۴۶۔ مسند احمد: رقم ۱۲۰
۱۴۷۔ مجمع الزوائد: ج ۱۰، ص ۶۱
۱۴۸۔ مستدرک الحاکم مع تلخیص ذہبی: ج ۳، ص ۸۹
۱۴۹۔ سنن أبی داود: کتاب الملاحم، باب فی ذکر البصرۃ، رقم: ۴۳۰۸
۱۵۰۔ طحاوی۔ شرح معانی الآثار: کتاب الکراھۃ، باب الرجل یکون بہ الداء ھل یجتنب أم لا، رقم ۷۰۷۸
۱۵۱۔ فتح الباری: ج ۱۰، ص ۱۸۷
۱۵۲ أبوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی۔ احکام القرآن۔ دارالفکر للطباعۃ، لبنان: ج ۱، ص ۳۰۵
۱۵۳۔ فتح الباری: ج ۱۰، ص ۱۹۰
۱۵۴۔ ابن العربی۔ احکام القرآن: ج ۱، ص ۳۰۵
۱۵۵۔ ابن عبدالبر۔ التمھید: ج ۱۲، ص ۲۶۰
۱۵۶۔ شھاب الدین احمد بن ادریس قرافی۔ الذخیرۃ۔ دارالمغرب، بیروت، ۱۹۹۴ء: ج ۱۳، ص ۳۲۵
۱۵۷۔ الجامع لاحکام القرآن: ج ۳، ص ۲۳۲
۱۵۸۔ عنوان ''جبری پابندی، جدید سائنس اور حدیثِ نبوی کی روشنی میں'' کے تحت
۱۵۹۔ فتح الباری: ج ۱۰، ص ۱۸۹
۱۶۰۔ نفس مرجع
۱۶۱۔ قرطبی۔ الجامع لاحکام القرآن: ج ۳، ص ۲۳۳
۱۶۲۔ فتح الباری: ج ۱۰، ص ۱۸۹
۱۶۳۔ نفس مرجع، ۱۰، ص ۱۹۰

۱۶۴۔ گنگوھی۔ الکوکب الدری: ج ۲،ص ۲۰۵
۱۶۵۔ دیکھیے عنوان: جبری پابندی، جدید سائنس اور حدیثِ نبوی کی روشنی میں
۱۶۶۔ دیکھیے عنوان: طاعون لاحق ہونے کا سبب
۱۶۸۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب من قتل دون مالہ فھو شہید: رقم ۲۳۴۸
۱۶۹۔ فتح الباری: ج ۱۰،ص ۱۸۸
۱۷۰۔ نفس مرجع
۱۷۱۔ نفس مرجع
۱۷۲۔ مواق العبدری۔ التاج والاکلیل: ج ۴،ص ۴۳۱
۱۷۳۔ فتح الباری: ج ۱۰،ص ۱۸۸
۱۷۴۔ مسند احمد: رقم ۱۶۹۷
۱۷۵۔ طحاوی۔ شرح معانی الآثار: کتاب الکراھۃ، باب الرجل یکون بہ الداء ھل یجتنب أم لا، رقم ۷۰۱۹

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

دنیا کی طلب میں اعتدال سے کام لو، اس لئے کہ جتنا رزق انسان کے لئے لکھ دیا گیا ہے وہ اسے ضرور ملے گا۔

بیہقی۔ السنن الکبریٰ: ج ۸،ص ۸۹

طالب دعا: سید طالب حسین شاہ۔ اللہ بخش زرگر۔ خیر پور ٹامے والی۔ بھاول پو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

انسان کی کوئی کمائی اس کی ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہیں ہے، اور آدمی جو مال اپنے آپ پر خرچ کرتا ہے یا اپنے اہل، اولاد اور خادموں پر خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے۔ (اس پر صدقے کا ثواب ملے گا)

ابن ماجہ۔ ج ۳،ص ۵، رقم ۲۱۳۸

طالب دعا: محمد احمد زرگر۔ خیر پور ٹامے والی۔ بھاول پور

۲۷ علمی و دینی مقالات کا قیمتی مجموعہ

صراط مستقیم

حضرت مولانا مفتی غلام قادر رحمہ اللہ

ترتیب

سید عزیز الرحمٰن

اہم عنوانات

صفات باری تعالیٰ۔ اسلام، مذہب سلامتی اور امن۔ اسلام میں عقیدے کی اہمیت۔ حقیقت عبادت۔ آخرت کی کامیابی۔ ضرورت نبوت و رسالت۔ سرکارِ دو عالم ﷺ بہ حیثیت معلم۔ معاشی مشکلات کا حل، نظام مصطفیٰ ﷺ۔ دین مصطفیٰ کا نفاذ اور قیادت صالحہ۔ اسوۂ نبی اکرم اور اولیاء اللہ۔ اسلامی ریاست کا قیام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ خلفائے راشدینؓ کی باہمی اُلفت و محبت۔ اتحاد بین المسلمین۔ عورتوں کے حقوق۔ ضرورت فقہ اور مقام فقہ۔ ائمہ اربعہ کی تحقیق اور ان کا موقف۔ فقہی اختلاف کی وجوہ۔ رزق حلال اور شریعت و طریقت۔ رزق حلال اور عظمت کردار۔ مناقب اولیاء۔ اولیائے کرام اور تبلیغ اسلام۔ حضرت خواجہ خدا بخشؒ اور تبلیغِ دین۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ شخصیت و تاثرات

صفحات ۲۶۴ | قیمت: ۱۸۰

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔۴/۱۷۔ ناظم آباد نمبر ۴، کراچی۔ فون: ۶۶۸۴۷۹۰

www.rahet.org E-mail: info@rahet.org